دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

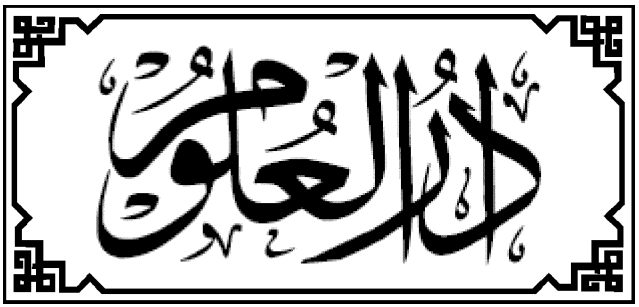

جلد: ۹۴	محرم-صفر ۱۴۳۱ھ مطابق جنوری ۲۰۱۰ء	شمارہ: ۱

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵ روپئے، سالانہ-/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	علمی کی حقیقی طلب کے چار بنیادی امور اخلاص وللّٰہیت مسلسل محنت، بلند ہمتی، ادب واحترام	حذیفہ وستانوی	۷
۳	آپ بچوں کے نام کیسے تجویز کریں؟	میرزاہد مکھیالوی	۲۸
۴	جہیز: خاندانی ادارے کیلئے عظیم چیلنج	محمد شاہ نواز عالم قاسمی	۳۳
۵	مدرسہ بورڈ	حکیم ظل الرحمٰن	۳۷
۶	عیسائی مشینریز کی تباہ کاریاں	مفتی ابرار متین بیگ قاسمی	۴۶
۷	تعارف وتبصرہ	مولانا محمد معروف	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اسلامی مدارس اور دینی درس گاہوں کا اصل موضوع کتاب الٰہی وسنت رسول اوران سے ماخوذ فقہ اسلامی ہے۔انھیں کی تعلیم وتدریس، افہام وتفہیم، تعمیل واتباع اور تبلیغ واشاعت مدارس عربیہ دینیہ کا مقصود اصلی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ تعلیمی وتربیتی ادارے علوم شریعت کے نقیب، اور خاتم الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے فرائض نبوت تلاوت قرآن، تعلیم کتاب اور تفہیم حکمت وسنت کے وارث وامین ہیں۔

ہمارے ان تعلیمی مراکز نے اس عظیم امانت کی حفاظت اوراس لائقِ صد فخر وراثت کو اگلی نسلوں تک پہنچانے میں جو قابلِ ستائش کارنامہ انجام دیا ہے، وہ ہماری علمی وثقافتی تاریخ کا ایک زریں باب ہے، یہ ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس کا اعتراف کئے بغیر کوئی منصف مزاج نہیں رہ سکتا۔

آج کے انتشار پذیر اور مادیت کے فروغ کے دور میں بھی یہ اسلامی درس گاہیں اپنے وسائل وذرائع کی حد تک مصروف عمل ہیں اور ملت اسلامیہ کی اولین واہم ترین ضرورت کی متکفل ہیں، بھلا اس سچائی کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ لادینیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے اور مذہب بیزاری کے موجودہ ماحول میں اسلامی تہذیب ومعاشرت اور دینی عبادات ورسوم کے جو روشن آثار نظر آرہے ہیں وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ انہیں علمی تربیت گاہوں کے جہد وعمل مظاہر وثمرات ہیں۔

دینی مدارس کا یہی وہ کردار ہے جو اسلام کے حریفوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان مدرسوں کی آزادانہ کارکردگی کا یہ سلسلہ جب تک جاری رہے گا اسلام اور مسلمانوں کی دینی ومذہبی شناخت کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال دینے کا ان کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔اس لئے انھوں نے اسلامی درسگاہوں کے نظامِ تعلیم

وتربیت میں مداخلت اور من پسند ترمیم وتنسیخ کے لئے عالمی پیمانہ پر منصوبہ بند مہم برپا کررکھی ہے، حالات وواقعات بتارہے ہیں کہ ہماری قومی حکومت کی جانب سے ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے قیام پر اصرار بھی اسی مہم کی ایک کڑی ہے۔

آخر اس کی کیا توجیہ کی جائے کہ خود سرکاری اعداد وشمار کے مطابق مدارس دینیہ میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد چار فی صد بھی نہیں ہے، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسلم بچوں کی چھیانوے فیصد تعداد اسلامی مدارس سے دور سرکاری اسکولوں، کالجوں وغیرہ سے منسلک ہیں، یا اپنے والدین و سرپرستوں کی اقتصادی کمزوری اور خانگی مجبوری کی بناء پر بچہ مزدوری کی صف میں شامل ہوگیا ہوگا، سچر کمیٹی نے مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کے بارے میں جو رپورٹ دی ہے اس کے پیش نظر قرین قیاس یہی ہے کہ اس چھیانوے فیصد کی تعداد میں اکثریت تعلیمی مشغلہ سے الگ ہی ہوگی۔

علاوہ ازیں جو مسلم بچے سرکاری اسکولوں اور کالجوں سے وابستہ ہیں خود سرکاری بیان کے مطابق ان میں سے تقریباً پانچ فیصد درمیان ہی میں تعلیمی سلسلہ منقطع کرکے گھر بیٹھ رہتے ہیں، عقل ودانائی اور ہمدردی وخیرخواہی کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلے ان چھیانوے فیصد بچوں کے روشن مستقبل کی فکر کی جائے اور ان کے معاش ومعاد کی خوشحالی کی تدبیریں سوچی جائیں، لیکن ہماری قومی وزارت تعلیم وبہبود انسانی کو ان مسلم بچوں کی کوئی فکر نہیں فکر ہے تو صرف ان چار فیصد بچوں کی جو دینی ومذہبی اداروں میں تعلیم وتربیت حاصل کررہے ہیں، وزارت تعلیم اور اس کے غم خوار وزیر کا یہ رویہ آخر کس بات کا غماز ہے؟ دراصل ان چار فیصد بچوں کے بہانے وہ ملک کی دوسری اکثریت سے اس کے دستوری حق کو چھیننا چاہتے ہیں، غالباً انھیں یہ گوارا نہیں ہے کہ مسلمان اپنے دستوری حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق اپنے مذہبی تعلیمی ادارے چلائیں، اسی لئے انھیں ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے عنوان سے حکومتوں کی خواہشات کے شکنجے میں کسنا چاہتے ہیں، کیونکہ مشاہدات وتجربات کی شہادت یہی ہے سرکاری بورڈ سے ملحق ومنسلک ہوجانے کے بعد مدارس کی خود اختیاری حیثیت اور آئینی آزادی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ہے، اور اس قسم کی مداخلت آگے چل کر مدارس کے اصل دینی مقصد، روحانی واخلاقی تربیت، اس کی تعلیمی روح اور صدیوں سے آزمودہ طریقۂ کار کو درہم برہم کرکے رکھ دے گی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، دائرۃ المعارف حیدرآباد، اور ملک میں قائم سرکاری مدرسہ بورڈوں کی عبرت ناک مثالوں سے چشم پوشی کیونکر کی جاسکتی ہے۔

کون اس سے ناواقف ہے کہ سرکاری اداروں میں آئے دن نئی نئی تجاویز وترمیمات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس کی صراحت خود ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے اغراض ومقاصد میں بھی موجود ہے، آخر آئے دن ان بدلتے ہوئے اضافوں وقراردادوں کے ساتھ مدارس دینیہ اطمینان وسکون سے فروغ اشاعت دین وتحفظ قرآن وسنت اور دینی علوم واحکام کی ترویج کی اپنی خدمات کس طرح باقی رکھ سکتے ہیں، پھر بدلتی ہوئی حکومتوں اوران کے اہل کاروں کے بدلتے ہوئے رجحانات ونظریات کے ساتھ مدارس دینیہ اپنی خودمختاری کو (جوان کا دستوری حق ہے) بھلا کیونکر باقی رکھ سکیں گے۔

دینی مدارس کی اصلاح کا یہ منصوبہ کوئی نیا منصوبہ نہیں ہے، فرقہ پرست تنظیموں اور لامذہب طبقہ دینی مدارس کی خوداختیاری کارکردگی کو ہمیشہ بری نظر سے دیکھتا اوراس کے حق خوداختیاری کو چھین لینے کی تدبیریں سوچتا اور اسکیمیں بناتا رہا ہے، کسے معلوم نہیں ہے کہ فرقہ پرست عناصر ایک عرصہ سے مدارس اسلامیہ کے سر یہ الزام تھوپنے کی ناروا کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہ مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں، ان مدرسوں سے دہشت گرد تیار کئے جاتے ہیں حالانکہ آج تک وہ اپنے اس پروپیگنڈہ پر کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکے، ان کی اس مجنونانہ پروپیگنڈہ کا واحد مقصد یہی ہے کہ کسی طرح ان مدارس کو قومی مجرم باور کراکے انھیں مقفل کرانے میں کامیاب ہوجائیں، جب اپنی اس کوشش میں ناکام ہوگئے تو انھیں فرقہ پرستوں کے ایک بڑے چالاک شاطر لیڈر نے مدارس دینیہ کو بے روح بنادینے کی غرض سے یہ خوشنما ودلفریب اسکیم پیش کی تھی، جسے آج ہماری سیکولر حکومت نافذ کرنے پر مصر وبضد ہے۔

آج جولوگ اس ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کی وکالت وحمایت کررہے ہیں، اگران کی یہ بات مان بھی لی جائے کہ موجودہ سرکاراوراس کی وزارت تعلیم مدارس کے طلبہ وعلماء کی واقعی خیرخواہ ہے اورمحض ان کی فلاح وبہبود کے لئے ہی اس بورڈ کے قیام پر اصرار کررہی ہے اس بات کو تسلیم کرلینے کے باوجود بھی ملت اسلامیہ کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اگراس بہانے ایک بار مدارس سرکاری تحویل میں دیدئے گئے تو ان کی حیثیت لازمی طور پر کسی نہ کسی حدتک سرکاری اداروں کی ہوجائے گی، آج اگرایک سیکولراور بقول ان کے مسلم اقلیت کے حقوق کی رعایت کرنے والی سرکار ہے تو کل فرقہ پرست اورمسلم مخالف سرکار بھی آسکتی ہے پھراس وقت سرکاری شکنجوں میں جکڑے ان مدارس کا کیا حشر ہوگا وہ دن کے اجالے کی طرح روشن ہے، اگر ہمارے ان علماء اوردانشوروں کو جو

مدرسہ بورڈ کی حمایت اوراس کی سودمندی پر لچھے دار تقریریں کررہے ہیں اوراخبارات ورسائل میں مقالات ومراسلات چھپوارہے ہیں، یہ تشویشناک حیثیت گوارا ہے تو بڑے شوق سے ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' سے وابستہ ہوجائیں اورسرکاری مراعات سے فیض یاب ہوں، مگراسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ کل کا حقیقت پسند مورخ جب ان مدرسوں کی (خدانخواستہ) تباہی کی تاریخ مرتب کرے گا تو انھیں ''جعفروصادق'' کی صف میں شمار کرے گا۔

آخر میں ہم موجودہ سیکولرحکومت اوراس کے سیکولروزیرتعلیم سے یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم بچوں کے سلسلہ میں ان کی خیرخواہی سرآنکھوں پر لیکن دینی مدارس کے لئے یہ مرکزی مدرسہ بورڈ نہ صرف مدارس اسلامیہ کے لئے انتہائی خطرناک ہے، بلکہ خودحکومت کے لئے بھی دوررس پریشانیوں کا باعث ہوگا، ملت اسلامیہ ہند کی اکثریت حکومت سے منحرف ہوجائے گی جس کے آثارنمایاں ہیں، اس لئے قانون وانصاف اوروسعت قلب ونظر سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کے حق ''مذہبی تعلیم'' پر کسی قسم کی قدغن لگانے سے احتراز کیاجائے، اوراغراض پسند خوشامدیوں کی باتوں میں آکر کوئی ایسا اقدام نہ کرے جوملک کی دوسری اکثریت کے اندر بےچینی واضطراب اورحکومت اور پارٹی سے انحراف کا باعث بنے، کیوں کہ اس سے خود پارٹی، حکومت اور ملک کا ہی نقصان ہوگا۔

"وما علینا الا البلاغ"

علم کی حقیقی طلب کے چار بنیادی امور

اخلاص وللّٰہیت، مسلسل محنت، بلند ہمتی، ادب واحترام

از: حذیفہ وستانوی

اللہ کی صفات میں سے ایک صفت علم ہے، اللہ کی ذات ازلی تو اس کی صفت بھی ازلی، اس کا کچھ حصہ اللہ نے مخلوق کو عطا کیا، اور اس میں انسان کو برتر رکھا، بلکہ بعض حضرات کی تحقیق کے بموجب صفت علم انسان کا خاصہ اور امتیاز ہے لہٰذا علم کو انسان کی فطرت میں ودیعت کردیا گیا، اور علم سے انسان کو متصف کرنے کی غرض عمدہ صفات، حسن اخلاق، اور سیرت اور کردار میں خوبی، اور بہتری پیدا کرنا ہے، اللہ رب العزت کی ذات، تمام صفات حمیدہ کو جامع ہے، اس لیے کہ اس کا علم ''علم محیط'' ہے، اللہ نے اپنی اس صفت کا پرتو انسان میں اسی لیے رکھا تاکہ **تخلقوا بأخلاق اللّٰہ** والی حدیث پر عمل درآمد ہوسکے، اور بندہ اپنے اندر بھی کمال پیدا کرے، حضرت آدم علیہ السلام کو جو برتری اور خصوصیت دی گئی اس کی وجہ بھی تو علم ہے لہٰذا علم کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا علم ہو انسان اتنا ہی بااخلاق ہو، حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ نے ''علم وحی'' سے نوازا تو ساری انسانیت کے لئے نمونہ ثابت ہوئے۔

حضرات صحابہ بھی جب علم الٰہی اور علم نبوی سے سرشار ہوئے تو انکی زندگیوں میں عجیب انقلاب برپا ہوگیا، اور وہ بھی رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے اُسوہ بن گئے، معلوم ہوا علم دین اپنے اندر انقلابی تاثیر رکھتا ہے مگر آج کل ہم دیکھ رہے ہیں ہمارے اہل علم حضرات بھی انتہائی نازک حالات کے شکار ہیں تو آیئے ہم کوشش کریں کہ اس بدترین صورت حال کے اسباب وعلل کیا ہیں؟

تعلیم کی موجودہ ابتر حالات کا ذمہ دار صرف کسی ایک طبقہ کو نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ امت کا اجتماعی وانفرادی طور پر ہر طبقہ اس کا ذمہ دار ہے، مگر زیادہ ذمہ دار طلبہ ہیں لہٰذا ہم چونکہ انہی سے مخاطب ہے اس لیے انہی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

(۱) اخلاص وللّٰہیت

آگے بڑھنے سے پہلے ہم چند سوالات جو ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں اس کی نشاندہی کرتے ہیں، سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انحطاط علمی کا سبب کیا ہے؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ کیوں محنت نہیں کرتے؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کیوں زندگی میں علم پر عمل نہیں؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ وعلماء کو کیوں آخرت کی فکر اور امت کا درد نہیں، اور کیا ان سوالات کے جوابات ممکن ہے تو آیئے ہم اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ہمیں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے یہ دنیا دارالاسباب ہے، اور اللہ کی ذات مسبّب الاسباب ہے، لہٰذا ہمارا یہ کہنا کہ اب قیامت قریب آگئی حالات ایسے بدل گئے ہیں کہ اب محنت کرکر کوئی فائدہ نہیں اس بات کو ذہن سے نکال دینا چاہئے، اور اسباب کی طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''إن اللّٰه لا يضيع أجر المحسنين'' اللہ اخلاص کے ساتھ محنت کرنے والوں کی محنت ضائع نہیں کرتے، اب آپ ذرا غور کیجئے ''محسنین'' کا لفظ استعمال کیا، ''مجتہدین'' یا ''عاملین'' نہیں کہا، یا ''مخیّرین'' یا ''ساعین'' یا ''شاغلین'' کا لفظ استعمال نہیں کیا، آخر ایسا کیوں۔ اس لیے کہ یہ تمام الفاظ کسی ایک حقیقت اور معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جبکہ ''احسان'' کا لفظ انتہائی معنی خیز اور جامع ومانع ہے، کیوں کہ احسان کے لغوی معنی تو خوب اچھا کرنا اور خوب اچھا کرنے کے لیے جہد وجہد، سعی عمل، شغل، سب ضروری ہے، اصطلاحِ شرع میں ''احسان'' کہتے ہے اخلاص اور للّٰہیت کو، اب محسنین کا معنی ہوا خوب جدوجہد اور سعی پیہم کے ساتھ محض اللہ کے لیے کرنے والے۔

اب آیئے ہم اپنے طالب علمانہ کردار پر ایک نظر ڈالیں اور فیصلہ کریں، کہ کیا واقعتاً ہم محسنین میں؟ کیا ہم محنت اور جد جہد اور سعی پیہم میں لگے ہوئے ہیں؟ کیا ہمارے اندر اخلاص و للّٰہیت ہے؟ تو جواب نفی میں ہوگا اولاً تو اکثر وبیشتر طلبہ میں محنت اور لگن کا جذبہ نہیں، اور کچھ میں ہے تو عام طور پر محنت کے ساتھ جو مطلوبہ صفات ہے وہ نہیں، یعنی اخلاص، تواضع، ادب، حسن اخلاق، معصیت سے دوری، وغیرہ۔

لہٰذا طلبہ عزیز سے لجاجت کے ساتھ گذارش ہے کہ اللہ کے واسطے سستی اور غفلت کو پس پشت ڈال کر خوب لگن اور محنت سے تحصیل علم میں لگ جائیں، تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی

حاصل ہوسکے، ساتھ تکبر سے حسد سے کذب بیانی سے سوء اخلاق سے بے ادبی سے چاہے کتاب کی ہو، چاہے استاذ کی ہو، چاہے درس گاہ کی ہو، چاہے ادارہ کی اس سے مکمل اجتناب کریں۔

حاصل یہ کہ سب سے پہلے ضرورت ہے اخلاص اور للّٰہیت کو پیدا کرنے کی ''**إنما الأعمال بالنیات**'' جب ہم یہ نیت کریں گے کہ اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنا ہے، تو محنت کی توفیق کے راستے من جانب اللہ کھل جائیں گے، ہم آغاز سال میں یہ نیت کرلیں کہ ''اللہ ہمارے یہاں آنے کا مقصد علم کو حاصل کرکے اس پر عمل کرنا اور تیری ذات اقدس کو راضی کرنا ہے''۔

(۲) مسلسل محنت

عزیز طلبہ! کیا آپ نے صحابہ کے حالات پڑھے اور سنے نہیں ان پر کوئی نگراں اور ذمہ دار نہیں مگر ان میں اخلاص تھا تو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر ہوکر علم حصول کی انہیں توفیق ہوتی تھی، کیا آپ نے اصحاب صفہ کے حالات نہیں پڑھے، بھوکے ہوتے کپڑے نہ ہوتے مگر برابر محنت میں لگے رہتے، حضرت ابوہریرہ بھی انہیں میں سے ایک تھے، اللہ نے انہیں کیسا چمکایا، حضرات تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ کیجئے اس زمانہ میں نہ کوئی درس گاہ ہوتی تھی نہ کوئی کمرہ نہ کوئی ہاسٹل اور رہائش گاہ نہ لائٹ نہ کھانے پینے کا انتظام، نہ کوئی زور زبردستی وہ تو اپنا سب کچھ لگا کر اخلاص کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے، انہیں کے مجاہدات کی برکت سے آج علوم اسلامیہ صفحات کتب کی صورت میں موجود ہے، اگر وہ ہم لوگوں کی طرح راحت پسند اور عیش پرست ہوتے، یقیناً آج ہمارے پاس علمی ذخائر نہ ہوتے نہ کتابیں ہوتیں اور نہ یہ مدارس ہوتے، دنیا کی تاریخ میں علماء اسلام نے جتنا لکھنے پڑھنے کا کام کیا، یقیناً کسی نے نہیں کیا، جیسا شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اس پر مستقل ایک تحریر کی ہے، ''العلماء العذاب الذین آثروا العلم الزواج''، یعنی وہ علماء جو علم کے خاطر شادی سے کنارہ کش رہے، جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) ہناد بن سری کوفی محدث تھے، (۲) ابوجعفر محمد ابن جریر طبری مفسر محدث اور مؤرخ تھے بے شمار ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی، (۳) ابوبکر ابن الانباری نحوی اور مفسر تھے، (۴) ابوعلی الفارسی جلیل القدر امام النحو تھے، (۵) ابوبکر الاندلسی محدث تھے، (۶) محمود ابن عمر زمخشری مفسر تھے، (۷) محی الدین زکریا النووی فقیہ محدث تھے مسلم شریف کے مشہور شارح اور بے شمار کتابوں کے مصنف تھے، (۸) ابوالحسن ابن النفیس دمشقی، (۹) ابن تیمیہ حرانی محدث فقیہ مفسر اور بے شمار

کتابوں کے مصنف تھے، (۱۰) عزالدین محمد ابن جماعۃ مصری فقیہ اور اصولی تھے، (۱۱) محمد ابن طولون مشہور مؤرخ گذرے ہیں، (۱۲) سلیمان ابن عمر الجمل جلالین کے مشہور شارح، (۱۳) ابوالمعالی محمود شکری الوسی بہت بڑے ادیب تھے، (۱۴) ابوالوفاء الافغانی ہندی فقیہ اور محدث تھے، وغیرہ بے شمار ایسے علماء گذرے ہیں اللہ امت مسلمہ کی جانب سے انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

ان لوگوں نے اپنا مال اپنا وقت اپنی خواہشات سب کچھ علم دین کے لیے قربان کردیا، تو آج اللہ نے یہ مقام دنیا ہی میں عطا کیا صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی جب ان کا تذکرہ ہوتا ہے تو مسلم عقیدت سے رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے۔

ہمارے متقدمین ومتأخرین علماء نے اتنی جدوجہد اور محنت کی کہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کو اپنی بے مثال تالیف ''صَفَحَاتٌ مِنْ صَبْرِ العُلَمَاءِ عَلٰی شَدَائِدِ العِلْمِ وَتَحْصِیلِہٖ،، کے مقدمہ میں لکھنا پڑا۔

''اگر تم ہمارے علماء کے احوال کا تتبع اور مطالعہ کروگے تو اندازہ ہوگا وہ کیا تھے؟ اور اپنوں نے کیا کیا؟ وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے محض علم کے خاطر لمبے لمبے اسفار کئے بھوک اور پیاس پر صبر کیا راتوں کو سونا چھوڑ دیا اپنے آپ کو خوب مشقت میں ڈالا یہاں تک کہ تاریخ ان کی قربانیوں کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے میں اپنی کتاب میں اس کا احاطہ، اور استیعاب کرنا نہیں چاہتا ہوں، بلکہ نمونے کے طور مشت از خروارے کے ہر پہلو سے متعلق چند واقعات بیان کروں گا، کیوں کہ ان کی قربانیاں اتنی ہے کہ اس کو یکجہ کرنا دشوار ہے، علم کے خاطر صبر آزمانی کے ایسے حیرت انگیز واقعات ہے کہ انسان کا ذہن اسے قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام واقعات سو فیصدی صحیح ہے، کیوں کہ سندوں کے ساتھ معتبر کتابوں میں منقول ہے، اگر آپ کو وہ سمجھ میں نہ آئے تو نہ آئے، بعض حیرت انگیز عجائبات میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں آپ کی عقل اس کو تسلیم کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوگی، مگر اتنی مستند اور صحیح روایات اور معتبر لوگوں سے مروی ہے کہ آپ کو صحیح ماننا ہی پڑے گا، مثلاً محدث عظیم اِمام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی اپنی کتاب ''سنن أبی داؤد'' کے باب ''صدقة الزرع'' میں خود اپنا مشاہدہ نقل کرتے ہے کہ میں نے مصر کے سفر کے دوران ایک ککڑی دیکھی جس کی لمبائی تیرہ بالشت تھی، اور ایک اتنا بڑا نارنگی دیکھا کہ اس کو کاٹ کر اونٹ پر اس طور پر لادا گیا تھا کہ ایک حصہ اونٹ کی کوہان کی داھنی جانب اور دوسرا بائیں جانب کیا کوئی اس کی تصدیق کرسکتا ہے؟ مگر ایک ایسے محدث اس کو بیان فرمارہے

ہیں جن کی صداقت پر امت کا اجماع ہے لہٰذا عجوبہ سمجھ کر ماننا پڑے گا۔

ایسا واقعہ محمد بن رافع نے ذکر کیا ہے جو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابوزرعہ، تمام کبار محدثین کے استاذ اور شیخ ہیں کہ میں نے انگور کا ایک گچھا دیکھا جو ایک خچر کے برابر تھا۔

اسی طرح کے دسیوں عجائبات کو شیخ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا اور پھر کہا کہ جس طرح ان واقعات کے حیرت انگیز ہونے کے باوجود آپ کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ صحیح ہے، بس بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف کے علم کے خاطر صبر آزمائی کے حیرت انگیز واقعات کو بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔

طلب علم کیے لیے اسلاف کی قربانیاں:

اسلام نے انسان کو پہلا درس ہی علم کا دیا، اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پہلی وحی علم سے متعلق نازل کی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ اس امت کے افراد نے اپنے آپ کو علم کے لیے کھپا دیا، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں: ہمارے علماء اسلاف میں اکثر و بیشتر فقر و فاقہ کے شکار تھے، مگر ان کا فقر تحصیل علم کے لیے کبھی رکاوٹ نہ بنا، اور انہوں نے کبھی کسی کے سامنے اپنی محتاجی کو ظاہر بھی نہیں کیا۔

انہوں نے علم کی خاطر نہایت جاں گسل اور ہولناک مصائب و آلام جھیلے اور ایسے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان کی طاقت اور برداشت کے سامنے خود ''صبر'' بے چین اور بے قرار ہوگیا۔

اسی کے ساتھ وہ اپنی دل کی گہرائیوں کے ساتھ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے اور حمد وثنا میں مصروف رہتے، ہر وقت شکر گذاری ان کا امتیازی وصف تھا، ان کی قربانیوں نے انہیں دنیا میں بھی سرخ رو کیا، اور قیامت تک آنے والے طالبان علوم کے لئے بہترین نمونہ بتا دیا، سب کچھ انہوں نے صرف اور صرف کتاب وسنت کی خدمت اور اللہ کی رضاء کے لئے کیا۔

ان کی قربانیوں سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی علوم کی تدوین وتالیف پر فضا وشاداب مقامات نہروں کے کناروں اور سایہ دار درختوں کے چھاؤں میں بیٹھ کر نہیں ہوئی، بلکہ یہ کام خون جگر کی قربانی دیکر ہوا ہے، اس کے لیے سخت گرمیوں میں پیاس کی ناقابل برداشت تکالیف اٹھانی پڑی، اور رات رات بھر ٹمٹاتے چراغ کے سامنے جاگنا پڑا، بلکہ طلب علم

کی راہ میں جان عزیز کے قربان کو بھی انہوں کوئی بڑا کام تصور نہ کیا، آیئے اب میں انکی جدوجہد اور قربانیوں کے چند نمونہ آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں تاکہ ہمیں بھی ان کی راہ پر چلنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس جو ترجمان القرآن کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ ایسے ہی قرآن کے عظیم مفسر نہیں بن گئے بلکہ خوب محنت اور جدوجہد کی وہ خود فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کرام سے پوچھنے اور احادیث معلوم کرنے میں لگ گیا، مجھے (کبھی) پتہ لگتا کہ فلاں صحابی کے پاس حدیث موجود ہے تو میں ان کے مکان پر پہونچتا، وہاں آکر معلوم ہوتا کہ وہ آرام کررہے ہیں، تو میں اپنی چادر ان کے دروازہ کے سامنے بچھا کر لیٹ جاتا، دوپہر کی گرمی میں ہوا چلتی تو تمام گردوغبار میرے اوپر آتا۔

جب صاحب خانہ باہر آکر مجھے دیکھتے تو حیرت زدہ ہوکر استفسار کرتے عم زادۂ رسول! (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی) کیسے آنا ہوا؟ اور آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی، کسی کو بھیج کر مجھے کیوں نہ بلوالیا؟ میں کہتا: نہیں جناب! مجھے ہی آنا چاہئے تھا، پھر میں ان سے حدیث معلوم کرتا۔ (صبر واستقامت، ص:۵۰)

(۲) عبدالرحمٰن بن قاسم جو امام مالک کے ممتاز شاگرد تھے وہ کیسے اتنے بڑے فقیہ اور محدث ہوئے۔

قاضی عیاض نے ''ترتیب المدارک'' میں عبدالرحمٰن بن قاسم عُتقی (متوفی ۱۹۱ھ) کے حالات میں لکھا ہے (یاد رہے موصوف کا شمار امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہوتا ہے)۔

''ابن قاسم کہتے تھے: میں امام مالکؒ کے پاس، آخر شب کی تاریکی میں پہونچتا، اور کبھی دو، کبھی تین یا چار مسئلے دریافت کرتا اس وقت امام محترم کی طبیعت میں کافی انشراح محسوس ہوتا، ایک دفعہ ان کی چوکھٹ پر سر رکھے سوگیا، امام مالکؒ نماز کے لئے مسجد تشریف لے گیے، لیکن مجھے نیند کے غلبہ میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا، آنکھ اس وقت کھلی جب ان کی ایک کالی کلوٹی باندی نے میرے ٹھوکر مار کر یہ کہا: تیرے آقا چلے گئے، وہ تیری طرح غافل نہیں رہتے، آج ۴۹ سال ہونے کو آئے، انہوں نے فجر کی نماز کبھی کبھار کے علاوہ ہمیشہ عشاء ہی کے وضو سے پڑھی ہے۔ (اس کلوٹی نے آپ کو امام صاحب کے پاس اکثر آتے جاتے دیکھ کر ان کا غلام سمجھا)۔

امام مالک کے پاس ۱۷/سالہ قیام:

ابن قاسم کہتے ہیں: میں امام مالک کے پاس مسلسل سترہ سال رہا، لیکن اس مدت میں نہ کچھ بیچا اور نہ کچھ خریدا۔ (ذرا ہمارے وہ طلبہ غور کریں جو اکثر وبیشتر بازاروں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں، کہ سترہ سال میں کبھی خرید وفروخت نہیں کیا)۔

باپ اور بیٹے کی ملاقات:

وہ کہتے ہیں: ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، اچانک ایک نقاب پوش نوجوان جو مصر سے حج کرنے کے لیے آیا تھا، مجلس میں پہونچا، اور امام مالک کو سلام کرکے پوچھا، کیا آپ یہاں ابن قاسم موجود ہیں؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، وہ آیا اور اسنے میری پیشانی کا بوسہ لیا، میں نے اس میں ایک نہایت عمدہ خوشبو محسوس کی، (جس کا بیان لفظوں میں کرنا مشکل ہے) در حقیقت وہ میرا بیٹا تھا، اور یہ خوشبو اسی سے آرہی تھی، میں جس وقت گھر سے چلا تو رحم مادر میں تھا، میں اس کی ماں سے جو میری بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ چچیری بہن بھی ہوتی تھی، یہ کہکر آیا تھا کہ لمبی مدت کے لیے جارہا ہوں واپسی کا کچھ پتہ نہیں کہ کب ہو، اس لیے تمہیں اختیار ہے چاہے میری ہی نکاح میں رہنا چاہے آزاد ہوکر دوسری جگہ چلی جانا.....لیکن اس اللہ کی بندی نے آزاد ہونے کے بجائے، میرے ہی نکاح میں رہنے کو اختیار کیا۔ (صبر واستقامت کے پیکر، ص:۵۱تا۵۲)

(۳) محمد بن طاہر مقدسی کے بارے میں آتا ہے کہ طلب حدیث کے خاطر سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں لمبی لمبی مسافت طے کرنے کی وجہ سے بارہا خون کا پیشاب ہوگیا۔ (وفیات الاعیان)

(۴) ابونصر سنجری کا مخلصانہ طلب علم کا دور:

حافظ ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ابونصر سنجری کے بارے میں فرماتے ہیں ''عبداللہ بن سعید بن حاتم، ابونصر سنجری (متوفی ۴۴۴ھ) فن حدیث میں ''حافظ'' کے مرتبہ پر پہونچے ہوئے ہیں، (یہی نہیں بلکہ) آپ اپنے دور میں حدیث پاک کے سب سے بڑے حافظ، امام وقت اور مینارۂ سنت کی حیثیت رکھتے تھے، موصوف حدیث کی طلب میں زمین کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک چکر لگا کر آئے ہیں''۔

ایک عورت کی پیشکش:

ابواسحاق حبال کہتے ہیں: ''میں ایک روز ابونصر سنجری کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اٹھکر اسے کھول دیا، اب میں نے دیکھا کہ ایک عورت مکان میں داخل ہوئی اور اس نے آکر ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے، اور اسے شیخ کے سامنے رکھ کر بولی: '' انہیں جس طرح آپ کا دل چاہے خرچ فرمائیں۔ شیخ نے پوچھا آخر مقصد کیا ہے، اس نے کہا ''میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے نکاح کرلیں، اگرچہ مجھے شادی بیاہ کی کوئی خواہش نہیں، لیکن اس طرح میں آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

آپ نے کہا: ''تھیلی اٹھا کر یہاں سے چلی جاؤ''.....جب وہ چلی گئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''میں اپنے ملک سجستان سے صرف حصول علم کی نیت سے نکلا ہوں، اب اگر میں اس سفر میں شادی بیاہ کے جھمیلے میں پڑوں تو پھر میں ''طالب علم'' کہاں رہوگا....؟ اللہ نے طلب علم پر جو اجر وثواب رکھا ہے اس پر میں کسی بھی چیز کو ترجیح نہیں دینا چاہتا۔ (صبر واستقامت کے پیکر، ص:۴۴)

(۵) حافظ ابن مندہ اپنے وطن عزیز سے بیس سال کی عمر میں طلب علم کے لیے نکلے اور مسلسل ۴۵ رسال تک سفر کرتے رہے، اور علم حاصل کرتے رہے، ۶۵ رسال کی عمر میں اپنے وطن واپس ہوئے، جب گھر سے نکلے تو چہرہ پر ایک بال نہ تھا، اور جب لوٹے تو داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے، مگر اتنے عرصے میں کتنا علم حاصل کیا، تو جعفر مستغفری فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابوعبد محمد بن اسحٰق ابن مندہ سے، ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ نے کتنا علم حاصل کیا، تو کہا پانچ ہزار من وزن کے برابر، اللہ اکبر۔ (تذکرہ الحفاظ)۔

امام شعبی عامر بن شراحیل کوفی ہمدانی بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اتنا علم کیسے حاصل ہوا، تو فرمایا چار باتوں کے التزام کی وجہ سے (۱) کبھی کسی کتاب یا کاپی کے بھروسہ پر نہ رہا یعنی جو سنا سب یاد کرلیا۔ (۲) طلب علم کے لئے دربہ در سفر کرتا رہا۔ (۳) جمادات کی طرح صبر کرتا رہا یعنی جمادات کو پانی دو یا نہ دو کھاد دو یا نہ دو خاموش رہتا ہے، میں بھی بھوک اور پیاس پر صبر کرتا رہا، (۴) کوّے کی مانند صبح سویرے اٹھتا رہا یعنی بہت کم سوتا رہا تب جا کر اتنا علم حاصل ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

(۳) بلند ہمتی

میرے عزیز طالب علم ساتھیوں: یہ تھا ہمارے اسلاف کا بے مثال مجاہدہ معلوم ہوا علم دین کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد اور محنت اور بلند ہمتی ضروری ہے، علامہ زرنوجی فرماتے ہیں کہ اگر ''محنت خوب'' ہو اور ''بلند ہمتی'' نہ ہو تو بھی علم زیادہ حاصل نہیں ہوتا، اور ''ہمت'' تو ہو مگر ''محنت'' نہ ہو تو بھی علم حاصل نہیں ہوتا، آج ہمارے طلبہ میں یہ ہی بیماری کسی میں ''محنت'' کا جذبہ نہیں اور اگر ''محنت'' کا جذبہ ہے تو ''بلند ہمتی'' نہیں، یعنی کسی بھی کتاب کو جب کچھ محنت کے بعد سمجھ میں نہ آئے تو مشکل سمجھ کر نا امید ہو جاتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے، جیسا کہ ابھی آپ نے ہمارے اسلاف کی محنت اور جدوجہد پر چند حیرت کن حالات پڑھے، ان کی بلند ہمت کے بھی دو تین نمونے پیش خدمت ہیں۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں: کہ مجھے تعجب ہے طلبہ پر اس لیے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ہر قیمتی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بلند ہمتی وجدوجہد درکار ہوتی ہے، مگر علم کے بارے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے ہی حاصل ہو جائے، تو یہ کیسے ممکن ہے جبکہ علم دین تو دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ قیمتی ہے، تو ذرا غور کیجئے اس کے لیے کتنی ہمت اور محنت درکار ہوگی، مسلسل محنت مسلسل تکرار راحتوں اور لذتوں کو چھوڑنے سے علم حاصل ہوتا ہے۔

ایک فقیہ فرماتے ہیں: میں ایک مدت تک ہریسہ (عربوں کا ایک لذیذ کھانا) کھانے کی تمنا کرتا رہا مگر کبھی نہ کھا سکا، اس لیے کہ ہریسہ اس وقت بازار میں فروخت ہوتا تھا، جب درس کا وقت ہوتا تھا، میں نے کبھی بھی درس چھوڑنے کو پسند نہیں کیا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

امام مزنی فرماتے ہیں کہ کسی نے امام شافعی سے دریافت کیا، آپ کے حصول علم خواہش کیسی ہے؟ تو فرمایا جب میں کوئی نیا علمی نقطہ یا نئی علمی بات سنتا ہوں تو مجھے اتنی خوشی ہوتی اور لذت ہوتی ہے کہ میرے خواہش ہوتی ہے کہ میرے بدن کے ہر عضو کو قوۃ سماعت ہو اور وہ بھی لذت محسوس کرے۔

پھر کسی نے پوچھا آپ علم پر کتنی حرص رکھتے ہیں جس قدر ایک مال و دولت کو جمع کرنے والا مال کو حاصل کرنے کی حرص رکھتا ہے۔

پھر پوچھا کہ آپ کے علم کی طلب کی کیفیت کیا ہے تو کہا جیسے اس ماں کی جو اپنے گمشدہ بچے کی تلاش میں ہوتی ہے اور اسے اس کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔

امام ثعلبہ فرماتے ہیں کہ میں علم کے خاطر ابراہیم حربی کے پاس پچاس سال مسلسل قیام کیے رہا۔

امام النحو خلیل فراہیدی فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ شاق وہ وقت لگتا ہے جب میں کھا رہا ہوتا ہوں کیوں کہ اس وقت کوئی علمی فائدہ نہیں ہوتا۔

عمار ابن رجا فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں اپنے ہاتھ سے کھانا نہ کھا سکا میں حدیث لکھتا تھا اور میری بہن میرے منہ میں لقمے دیتی تھی۔

بقی ابن مخلد کا حیرت انگیز واقعہ:

یہ واقعہ ایک ایسے علم کے شیدائی کا ہے جس نے مغرب بعید سے مشرق تک کئی ہزار میل کا پیدل سفر محض اس لئے طے کیا کہ وہاں کے مسلمانوں کے ایک زبردست امام اور عالم جلیل کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دامن کو ''علم حدیث'' کی دولت سے بھرے لیکن جب وہ علم کا جویا وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ جس کی خاطر اس نے یہ طویل وعریض سفر پیدل چل کر کیا ہے، وہ ایک سخت آزمائش میں مبتلا رہے، اور درس وتدریس اور لوگوں سے ملنے جلنے پر حکومت کی جانب سے کڑی پابندی عائد ہے، مگر وہ بھی علم کا متوالا اور طالب حقیقی تھا، اس نے حصول علم کے لئے ایک ایسی راہ اختیار کی جس کا تصور بھی ہر کس وناکس کے لیے مشکل۔

بقی بن مخلد کا پیادہ پا سفر بغداد:

علمی دنیا کی قابل قدر تصنیف ''منہج احمد فی تراجم اصحاب امام احمد'' میں امام بقی بن مخلد اندلسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حافظ حدیث ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی، ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے اندلس سے بغداد تک سفر پیدل چل کر طے کیا، مقصد امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کرنا تھا۔

وحشت ناک خبر:

خود موصوف سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب میں بغداد کے قریب پہونچا اس آزمائش اور امتحان کی خبر ملی جس سے ان دنوں امام احمد بن حنبل دوچار تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ملنے اور حدیث سننے کی سرکاری طور پر پابندی ہے، یہ سننا تھا کہ رنج وملال کا پہاڑ میرے اوپر ٹوٹ پڑا، میں وہیں رک گیا، اور سامان ایک سرائے کے کمرے میں رکھ کر بغداد کی عظیم الشان جامع مسجد پہونچا، میں چاہتا تھا کہ لوگوں کے پاس جاکر دیکھوں کہ وہ آپس میں امام موصوف کے بارے میں کیا کیا تبصرے کررہے ہیں؟ اور ان میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہورہی ہیں؟؟۔

ایک مہذب حلقہ:

اتفاق سے وہاں بہت ہی عمدہ اور مہذب حلقہ لگا ہوا تھا، اور ایک شخص راویان حدیث کے حالات بیان کررہا تھا، وہ بعض کو ضعیف اور بعض کو قوی قرار دیتا، میں نے اپنے پاس والے آدمی سے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا: یحی بن معین! مجھے آپ کے قریب تھوڑی سی خالی جگہ نظر آئی، میں وہاں جاکر کھڑا ہوگیا اور عرض کیا: شیخ ابوزکریا! میں ایک پردیسی آدمی ہوں جس کا وطن یہاں سے بہت دور ہے، میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، آپ میری خستہ حالی کی بناپر مجھے جواب سے محروم نہ فرمائیں انہوں نے کہا: پوچھو کیا پوچھنا ہے؟

چند سوالات:

میں نے چند ایسے محدثین کے بارے میں دریافت کیا جن سے میری ملاقات ہوچکی تھی، انہوں نے بعض کو صحیح اور بعض کو مجروح بتایا، آخر میں ہشام بن عمار کے متعلق پوچھا موصوف کے پاس میری حاضری بارہا ہوئی ہے، اور ان سے حدیث کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا ہے، آپ نے موصوف کا نام سن کر فرمایا: ابوالولید ہشام بن عمار، دمشق کے رہنے والے، بہت بڑے نمازی، ثقہ بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔

میرا اتنا پوچھنا تھا کہ حلقہ والے چیخ پڑے ''جناب بس کیجئے دوسروں کو بھی پوچھنا ہے'' میں نے کھڑے کھڑے عرض کیا ''میں آپ سے احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں'' یہ سن کر یحی بن معین نے بڑے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا: ہم جیسے احمد ابن حنبل کے بارے میں تنقید کریں گے؟ وہ مسلمانوں کے امام، ان کے مسلمہ عالم اور صاحب فضل وکمال، نیز ان میں سب

سے بہتر شخص ہیں''۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مکان پر:

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا، اور پوچھتے پوچھتے امام احمد بن حنبل کے مکان پر پہونچ گیا، میں نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی، آپ تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا، انہوں نے مجھ پر نظر ڈالی، ظاہر ہے میں ان کیلئے ایک اجنبی تھا، اس لئے میں نے کہا: حضرت والا! میں ایک پردیسی آدمی ہوں، اس شہر میں پہلی بار آنا ہوا ہے طالب حدیث ہوں، اور یہ سفر محض آپ کی خدمت میں حاضری کی وجہ سے ہوا ہے!! انہوں نے فرمایا: ''اندر آجاؤ، کہیں تمہیں کوئی دیکھ نہ لے''۔

سوال وجواب:

جب میں اندر آگیا تو انہوں نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہوں؟ میں نے کہا مغرب بعید!! انہوں نے کہا: افریقہ؟ میں نے کہا: اس سے بھی دور ہمیں اپنے ملک سے افریقہ تک جانے کے لیے سمندر پار کرنا پڑتا ہے..... میں اندلس کا رہنے والا ہوں!! انہوں نے کہا: واقعی تمہارا وطن بہت دور ہے، تمہارے جیسے شخص کے مقصد کو پورا کرنا اور اس پر ہر ممکن تعاون کرنا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، لیکن کیا کروں، اس وقت آزمائش میں گرفتار ہوں، شاید تمہیں اس کے بارے میں معلوم ہوگیا ہو!! اس نے کہا جی ہاں، مجھے اس واقعہ کی اطلاع راستہ میں شہر کے قریب پہونچنے پر ہوئی۔

میں بھکاری بن کر آجایا کروں گا!:

میں نے عرض کیا: ابوعبداللہ! میں پہلی بار اس شہر میں آیا ہوں، مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا، اگر آپ اجازت دیں تو میں روزانہ آپ کے پاس فقیر کے بھیس میں آجایا کروں گا، اور دروازے پر ویسی ہی صدا لگایا کروں گا جیسی وہ لگاتے ہیں، آپ یہاں تشریف لے آیا کریں، اگر آپ نے روزانہ ایک حدیث بھی سنادی تو وہ میرے لیے کافی ہے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس آمد ورفت نہیں رکھو گے، اور نہ محدثین کے حلقوں میں جاؤ گے، میں نے کہا: آپ کی شرط منظور ہے۔

میرا معمول:

الغرض میں روزانہ اپنے ہاتھ میں ایک لکڑی لیتا، سر پر بھیکاریوں کا سا کپڑا باندھتا، اور کاغذ دوات، آستین کے اندر رکھ کر آپ کے دروازے پر جا کر صدا دیتا ''خدا بہت سا دے بابا!!! وہاں مانگنے کے یہی دستور تھا.....آپ تشریف لاتے اور جب میں اندر ہو جاتا دروازہ بند کر کے کبھی دو، کبھی تین یا اس سے زیادہ حدیثیں بیان فرماتے۔

(صبر واستقامت کے پیکر، ص:۱۸۱تا۱۸۵)

طلبہ عزیز! ذرا دیکھو تو سہی بقی ابن مخلد کی بلند حوصلگی اور علو ہمت کو، کہ ہزاروں میل کا پیادہ سفر کیا اور بھیکاری کے بھیس میں ۱۳؍سال تک حدیث حاصل کی اسی بلند ہمتی نے انہیں ہمیشہ ہمیش کے لیے ذکر خیر سے یاد کرنے کے لیے بعد والوں کو مجبور کر دیا ہے، اللہ تو ہمارے اسلاف کو امت کی جانب سے بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) ادب

مسلسل محنت کے ساتھ بلند ہمتی اور اس کے ساتھ استاذ، کتاب، اور آلات علم کا ادب، بھی انتہائی ضروری ہے جیسا کہ امام طبرانی نے روایت نقل کی، ''**وتواضعو لمن تعلمون منه**''۔

''جس سے علم سیکھو اس کے ساتھ ادب اور تواضع سے پیش آوے''۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اور جتنا استاذ کا ادب واحترام ہوگا اسی قدر علم میں برکت ہوگی، یہ عادۃ اللہ ہے کہ استاذ راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔

(اصلاح انقلاب امت)

حضرت تھانوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ استاذ کا ادب تقوی میں داخل ہے، جو اس میں کوتاہی کرے گا، وہ متقی نہیں ہوگا، حالاں کہ تقوی کی زیادتی علم میں زیادتی کا سبب ہے۔(التبلیغ)

اساتذہ کرام کے آداب:

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے استاذوں کا غایت احترام کرے، مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم استاذ سے ایسا ڈرتے تھے جیسے لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں، حدیث پاک میں بھی یہ حکم ہے

کہ جن سے علم حاصل کروان سے تواضع سے پیش آؤ۔

(۲) اپنے شیخ کو سب سے فائق سمجھے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ جو اپنے استاذ کا حق نہیں سمجھتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

(۳) استاذ کی رضاء کا ہر وقت خیال رکھے، اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے، اتنی دیر اس کے پاس بیٹھے بھی نہیں، جس سے اس کو گراں ہو۔

(۴) استاذ سے اپنے مشاغل میں اور جو پڑھنا ہے اس کے بارے میں خاص طور سے مشورہ کرتا رہے۔

(۵) اس سے نہایت احتراز کرنا چاہئے کہ شرم اور کبر کی وجہ سے اپنے ہم عمر یا اپنے سے عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں پس وپیش کرے، حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ جو علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں برداشت کرے گا وہ عمر بھر جہل کی ذلت برداشت کرے گا۔

(۶) یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کی سختی کا تحمل برداشت کرے (یہ نہایت اختصار سے مقدمہ ''اوجز المسالک'' سے چند اصول نقل کیے گیے ہیں)۔

(۷) اور یہ تو نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ استاذ کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے...الخ۔ (آپ بیتی: ۴۶/۲)

(۸) اور عادت اللہ ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا، جہاں کہیں ائمہ فن طالب علم کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں، اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو ''اوجز المسالک'' کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی ''احیاء العلوم'' میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاذ کے ہاتھ میں کلیتہ اپنی باگ دے دیں، اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں چاہئے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنادے۔ (ص: ۶۰)

(۹) میرا تو تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلبہ میں بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں، اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں، جس کی غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے، اور جو اس زمانہ میں استاذوں کے ساتھ

نخوت وتکبر سے رہتے ہیں، وہ بعد میں ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں کراتے ہیں، کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں، بہرحال جو علم ہو اس کا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے، چہ جائے کہ ان سے مخالفت کرے۔ (ص:۶۱)

(۱۰) کتاب ''ادب الدنیا والدین'' میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لیے استاذ کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے، اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا تو نفع کمائے گا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔

ارشاد فرمایا: ''قوت حافظہ کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں، ان میں اہم سبب اپنے اساتذہ کے لیے دعا کرنا بھی ہے جتنا بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا قوت حافظہ میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہے گا۔ (ص:۶۶)

دارالعلوم کے ایک فاضل مہمان نے زیادہ حافظہ کے وظیفہ کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

''آپ حضرات کو جو اپنی مادر علمی اور اساتذہ سے گہرا ربط اور تعلق ہے یہ بھی قوت حافظہ کے اسباب سے ایک ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جو تبحر علمی اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا اس کے یقیناً بہت سے وجوہ ہونگے، ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے تمام زندگی اپنے استاذ کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے، اور نہ ادھر پاؤں کرکے سوئے، آج جو شیخ مدنی رحمہ اللہ کا جگہ جگہ ذکر خیر ہے اور ان کے علوم وفیوضات کا سلسلہ روز افزوں ہے اور اب جو ایک صاحب نے بتایا ہے کہ گوجرانوالہ میں ''الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر'' دوبارہ شائع کیا جارہا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ شیخ مدنی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ شیخ الہند رحمہ اللہ کی خدمت کی، مالٹا جیل میں گئے اور ساتھ رہے اور کسی ممکن خدمت سے دریغ نہیں کیا۔ (ص:۸۱)

ارشاد فرمایا: ''جب تحصیل علم کے تین آداب کو ملحوظ رکھا جائے تب صلاحیت نکھرتی، استعداد جلا پاتی، اور علمی وروحانی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) استاذ کا ادب (۲) مسجد اور درس گاہ کا ادب (۳) کتاب کا ادب''۔ (ص:۱۴۱)

ارشاد فرمایا: ادب قلبی کیفیت اور باطنی محبت کا مظہر ہوتا ہے اس لیے تحصیل علم کے دوران طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاذ کی محبت کو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جگہ دے، اور اس کا دل وجان سے عاشق بن جائے، یا اعمال اور خلوص ومحبت کا ایسا مظاہرہ کرے کے استاذ کے دل میں جگہ

پالے اور استاذ کا محبوب بن جائے۔

مگر پہلی صورت کہ اپنے استاذ سے عشق ومحبت اور وارفتگی میں دیوانگی وجنون کی حد تک پہنچ جائے، دوسری صورت کی نسبت بے حد نافع اور مفید ہے، ایسے طلبہ علم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا فیض بھی زیادہ پھیلتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: ''والدین کی خدمت سے عمر میں برکت ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت سے علم میں برکت ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ ان خدمات کے یہ خاصیتی اثرات ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں، چینی کی اپنی لذت ہے، گڑ کا اپنا ذائقہ ہے، مٹھائی کی اپنی چاشنی ہے جو چیز کھائی جائے گی اس کی ذاتی خاصیت کی بناء پر اس کے اثرات وثمرات اور نتائج مرتب ہونگے، تو والدین کی خدمت سے زیادہ عمر اور اساتذہ کی خدمت سے زیادہ علم اور خدمت علم کے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ (ص:۲۵۹)

استاذ کی روک ٹوک اگر پڑھنے میں ہو تو اس کو برا نہ سمجھے اور نہ چہرے پر شکن پڑے نہ ملال ظاہر کرے، اس لیے کہ اس سے استاذ کے دل میں انقباض پیدا ہو جائے گا، اور دروازہ نفع کا بند ہو جائے گا، کیونکہ یہ موقوف ہے انشراح دل اور مناسبت پر، اور صورت مذکورہ میں دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت بڑا فائدہ اور جلد منفعت کی کنجی یہ ہے کہ جس سے نفع حاصل کرنا ہو خواہ خالق سے یا مخلوق سے، اس کے سامنے اپنے کو مٹا دے اور فنا کر دے، اپنی رائے وتدبیر کو بالکل دخل نہ دے، پھر دیکھئے کیسا نفع حاصل ہوتا ہے، اور یہ بڑا کمال ہے۔

تو دروگم شو وصال این ست وبس تو مباش اصلا کمال این ست وبس

اگر کسی مسئلہ میں استاذ کی تقریر ذہن میں نہ بیٹھے، تو کچھ دیر تک استفادہ کی لہجہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی تقریر کرے، اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آوے تو خاموش ہو جائے، اور دل میں یہ رکھ لے کہ اس کی تحقیق کروں گا، بعد میں کتابوں سے اور علماء سے تحقیق کرے، اور اگر اپنی رائے صحیح ہو اور استاذ حق پسند ہو تو اس کتاب اور بڑے عالم کی تحقیق کو ان کے سامنے پیش کر دے، اگر استاذ کی تقریر صحیح ہو تو معذرت کر دے کہ آپ صحیح فرتے تھے میں غلطی پر تھا۔

استاذ کے مقابلہ میں مکابرہ، مناظرہ، مجادلہ کی صورت ہرگز نہ بنائے، یعنی آنکھیں نہ چڑھیں، گفتگو میں تیزی نہ ہو پیشانی پر بل نہ ہو، بڑوں کے مقابلہ میں یہ بے ادبی ہے۔

(ص:۴۸-۴۸)

طالب علم سے اگر استاذ کی بے ادبی یا نافرمانی یا ایذا رسانی ہوجائے تو فوراً نہایت نیاز وعجز سے معافی چاہے اور الفاظ معافی کے ساتھ اعضاء سے بھی عاجزی وانکساری وندامت ٹپکے، یہ نہیں کہ لٹھ مار دیا کہ، اجی معاف کردو۔

اگر دل میں ندامت ہوگی تو اعضاء سے بھی ندامت ٹپکے گی، اگر یہ بھی نہ ہوتو بناوٹ ہی کردے، اصل نہیں تو نقل ہی سہی، مگر تاخیر نہ کرے، کیونکہ اگر استاذ دنیادار ہوگا تو تاخیر کرنے سے اس کی کدورت بڑھ جائے گی اور تمہارا نقصان ہوگا، اور اگر دیندار ہوگا تو گو وہ کدورت وغیرہ خرافات کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا، کیوں کہ اس کا مشرب یہ ہوتا ہے۔

آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن　　بہ نشین در دل ویرانہ ام اے گنج مراد
کفرست در طریقت ما کینہ داشتن　　کہ من ایں خانہ ویراں کردم

مگر رنج طبعی ہوگا اور یہ بھی طالب علم کے لیے مضر ہوگا کیونکہ اس حالت میں انشراح قلب نہ رہے گا اور بغیر انشراح قلب نفع نہ ہوگا، اور تاخیر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی حجاب بڑھتا جائے گا۔ (ص:۵۱۔۵۲)

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) علمی استعداد سات چیزوں پر موقوف ہے: (۱) ذہن (۲) حافظہ (۳) محنت (۴) آلات علم یعنی کتاب، کاغذ، قلم اور تپائی وغیرہ کا ادب (۵) استاذ کا ادب (۶) دعاء (۷) ترک منکرات۔

ان میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک منکرات ہے، اس لیے کہ علم دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے، وہ اتنی بڑی دولت صرف اسی کو عطا فرماتے ہیں جو اس کی ہر نافرمانی کو چھوڑ کر اس سے محبت کا ثبوت پیش کرے۔ (جواہر الرشید، :۱/۱۱۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ادب واحترام:

حضرت والا کو اپنے اساتذہ سے اتنا شدید تعلق تھا کہ دوسرے کو نہ تھا، بس یوں کہا جائے کہ عشق تھا، چناں چہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا، اور الحمد اللہ! میں

کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی ناراض نہیں کیا اور جتنا میرے قلب میں بزرگان دین کا ادب ہے آج شاید ہی کسی کے دل میں اتنا ہو۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں متعدد حضرات نے بیان کیا کہ کوئی بات دریافت کرنی ہوتی یا کتاب کا مضمون سمجھنا ہوتا تو اپنے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مکان کے دروازہ پر جا کر بیٹھ جاتے، جب حضرت گھر سے باہر نکلتے اس وقت دریافت کرتے اور یہ تقریباً روزانہ ہی کا معمول تھا۔ (آداب المتعلمین: ص ۲۷)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب رحمہ اللہ

مولانا گیلانی اپنے اساتذہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، اور سخت سے سخت وقت پر بھی ان کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کرتے، اور نہ بہانے تلاش کرتے تھے بلکہ فوراً تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوجاتے۔

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، اور اس کے صدقہ میں ایک نئی مسلم مملکت وجود میں آئی جو پاکستان کے نام سے موسوم ہوئی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے چاہا کہ یہاں اسلامی دستور نافذ ہو، اس اسلامی دستور کو مرتب کرنے کے لیے بہت سے علماء کو مولانا عثمانی نے کراچی میں جمع کرنے کی سعی فرمائی، ان میں حضرت مولانا گیلانی رحمہ اللہ کا بھی نام تھا، اس وقت حالات سازگار نہ تھے، مگر استاذ محترم کے حکم کے خلاف کسی بہانہ کی جرأت نہیں فرمائی بلکہ فوراً تشریف لے گئے۔

مولانا نے خود اپنے ایک خط میں جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نام ہے لکھتے ہیں:

''آپ کے ارادہ عدم شرکت سے مطلع ہونے کے بعد خاکسار نے بھی قطعی فیصلہ کراچی نہ جانے کا کرلیا تھا، لیکن مولانا عثمانی کی طرف سے تار اور خطوط کے تسلسل نے فسخ عزم کو انسب خیال کیا ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوئے دل نے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔

(حیات گیلانی، ص: ۲۹۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ

(۱) دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے ''پیش مرد کا ملے پامال شو'' پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے، نیز استاذ کا ادب واحترام ہمہ وقت ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، بے ادبی فیوضات کے حصول کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی دل میں اساتذہ کا ادب واحترام اور خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، اور ان کی خدمت باعث صد افتخار سمجھتے تھے، اگر چہ ان کے ہم سبق طلبہ اس سعادت کو بنظر حقارت دیکھتے تھے، جیسا کہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ خود بیان فرماتے ہیں:

''میں خود دیوبند میں تھا تو زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے ہاں بعض اوقات ان کی خدمت کے لیے جایا کرتا اور پاؤں دباتا، اور بعض ساتھی ہنستے کہ یہ چاپلوسی کرتا ہے، مگر یہ ان بزرگوں کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ مجھ نالائق انسان سے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ دین کا کام لیا اور مزید توفیق دے رہے ہیں، ان میں سے کئی اور ساتھی ہیں جو اس راستہ کو چھوڑ چکے ہیں تو علم سارا ادب ہی ادب ہے، دین کا ادب، اساتذہ کا ادب اور علم کا ادب۔''

(ماہنامہ ''الحق'' حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر: ص ۳۳۴)

آلات علم کاغذ، قلم، روشنائی کا ادب اور مجدد الف ثانیؒ کا حال:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لئے لگایا جاتا ہے، فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ان نقطہ کو علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے۔ اس لئے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں یہ تھا ان حضرات کا ادب جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطاء فرمائے تھے آج کل تو اخبار ورسائل کی فراوانی ہے ان میں قرآنی آیات، احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں، غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم، معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی

بڑا دخل ہے۔(مجالس حکیم الامت:ص ۲۸۱،۲۸۲)

حروف کلمات کا ادب:

ایک چمڑہ کا بیگ تھا، کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑہ میں لفظ (محمد اشرف علی) کندہ کرادیا تھا، اس کا حضرت (تھانوی) اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔(حسن العزیز:۳۲/۴)

کتابوں کا ادب:

آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا، مولانا احمد علی سہارن پوریؒ نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیوں کہ خلاف ادب ہے اور صورۃً جوتوں کو فوقیت دینا ہے، کتب دینیہ پر۔
(الافاضات الیومیہ:۳۲۴/۹)

روشنائی کا ادب:

ایک لفافہ پر روشنائی گرگئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بلاقصد روشنائی گرگئی'' اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں، جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔(الفصل للوصل:۱۹۷)

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہوتی ہے

اگر آپ دنیا وآخرت میں عزت اور رضاء الٰہی کے طالب ہیں، تو اپنے اندر یہ صفات پیدا کیجیے۔

(۱) اخلاص (۲) لغو اور بیکار امور سے اجتناب (۳) علم پر عمل (۴) اخلاق حسنہ کو زندگی کا لازمی جز بنائیں (۵) تواضع اور عجز اپنے اندر پیدا کریں۔(۶) وقت کی قدر کریں۔(۷) کھیل کود اور سیر وتفریح میں اپنا وقت گذارنے سے اجتناب کریں۔(۷) بلند ہمت کا مظاہرہ کریں، اور علم وعمل میں درجہ کمال تک پہنچنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔(۸) مسلسل رات دن ایک کرکے محنت کریں۔(۹) مطالعہ کا شوق پیدا کریں اور خوب دینی کتابوں کا مطالعہ کریں، اور اپنے آپ کو

مطالعہ کا عادی بنالیں کہ مطالعہ کے بغیر چین نہ آئے۔(۱۰) نمازوں کا اہتمام تکبیر اولی کے ساتھ کریں، امام ابو یوسف سترہ سال امام ابوحنیفہ کے درس میں فجر سے پہلے حاضر ہوتے تھے، کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، امام اعمش کی ۷۰ ستر سال تک تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، یہ لوگ ہمارے لیے نمونہ ہے۔(۱۱) غایت درجہ استاذ، کتاب، آلات علم، اور مسجد کا ادب واحترام کریں، علم نافع کے آداب میں مسجد کا ادب بھی شامل ہے، مسجد میں باتیں کرنے سے بھی علم سے محرومی ہوتی ہے۔(۱۲) نظر کی حفاظت کریں نظر بد سے حافظہ اور ذہانت کمزور ہوتے ہیں۔(۱۳) گناہوں سے مکمل بچتے رہیں، کیوں کہ علم کا نور گناہوں کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔(۱۴) جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے کیوں کہ وہ گناہ کبیرہ ہے۔(۱۵) سبق میں بلا ناغہ حاضر رہیں، کیوں کہ ایک دین کی غیر حاضری بھی سبق کی برکتوں کو ختم کردیتی ہے۔(۱۶) دعاؤں کا اہتمام کریں کیوں کہ دعاؤں سے راستے کھل جاتے ہیں، خاص طور پر ادعیہ مأثورہ کو یاد کرنے کا اہتمام کریں، اس لے کہ وہ سریع الاجابہ ہے۔(۱۷) صبح سویرے جلدی اٹھنے کا اہتمام کریں، کیوں کہ وہ برکت کا وقت ہے، دوگانہ پڑھ کر دعاء کریں اور پھر سبق یاد کریں انشاء اللہ بہت عمدہ اور بہت جلد یاد ہو جائے گا۔(۱۸) بازاروں کے چکر نہ کاٹے کیوں کہ اس سے انسان پر شیطانی اثرات غالب آتے ہیں، اس لیے کہ بازار شیاطین کے اڈے ہوتے ہیں۔(۱۹) پڑھنے کے ساتھ اپنے آپ کو لکھنے کا عادی بنائیں، مضامین اور مقالات اردو اور عربی میں لکھنے کی مشق کریں، تاکہ علم لوگوں تک پہنچایا جاسکے، اور عصر حاضر میں یہ بہت ضروری ہے۔(۲۰) نحو، صرف، فقہ، اصول فقہ، پر ابتدائی درجات کے طلبہ خاص توجہ دے اور فقہ، حدیث، اور تفسیر پر منتہی طلبہ توجہ دے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی مکمل سعی پیہم کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اسلاف کو بہترین صلہ عطا فرمائے، اور ہم سب کے لیے علم کو نجات کا باعث بنائے نا کہ ہمارے اوپر حجت۔ آمین یارب العالمین

❁ ❁ ❁

آپ بچوں کے نام کیسے تجویز کریں؟

از: میر زاہد مکھیالوی
جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور مظفرنگر

اسلام دین فطرت ہے جو انسانی زندگی کے تمام افعال واعمال اور اقوال واحوال پر محیط ہے اور انسانی عظمت کا نقیب ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی صالحانہ رہنمائی موجود ہے، نومولود بچوں کے اچھے معنٰی دار نام تجویز کرنے مہمل اور بے معنٰی ناموں سے احتراز کرنے کے سلسلہ میں سرکار دوعالم ﷺ کی متعدد احادیث شاہد عدل ہیں، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی الدرداءؓ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انکم تدعون یوم القیٰمۃِ باسماءکم واسماء آباءکم فأحسنوا اسماءکم. (رواہ احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ:۴۰۸)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ و یحسن ادبہ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باپ پر بچہ کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اول ما ینحل الرجل ولدہ اسمہ فلیحسن اسمہ. (رواہ ابو الشیخ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی سب سے پہلے تحفہ اپنے بچہ کو نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔

عن ابی وھب الجُشمی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسمّوا

باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللّٰہ عبد اللّٰہ و عبدالرحمٰن واصدقھا حارث وھمام واقبحھا حرب ومُرۃ. (ابوداؤد،ص:۲/۶۷۶، مشکوٰۃ:۴۰۹)

حضرت ابوہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھو، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں اور سب ناموں سے سچے نام حارث وہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مُرہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستحب الاسم الحسن. (زاد المعاد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام سے محبت رکھتے تھے۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادّبہٗ فاذا بلغ فلیزوجہٗ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علیٰ ابیہ. (مشکوٰۃ،ص:۲۷۱)

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا نام اچھا رکھے اور تعلیم وتربیت دے بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے اور بالغ ہونے کے بعد شادی نہیں کی اور وہ لڑکا (یا لڑکی) کسی گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا گناہ باپ پر بھی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پاکیزہ تعلیمات وہدایات سے جس طرح بچوں کو حسن ادب سکھانے اور اچھی تربیت دینے کا سبق ملتا ہے اس کے ساتھ ہی بچوں کے اچھے نام تجویز کرنے کی اہمیت و نافعیت بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے، نام تجویز کرنے کا مقصد محض تعین اور پہچان نہیں؛ بلکہ مذہب کی شناخت اس سے وابستہ ہے، دین کے لئے علامت اور شعار ہے، فکر وعقیدہ کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اس لئے احادیث میں اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی گئیں، اچھے دلکش اور بامعنی ناموں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ایسے ناموں سے منع کیا گیا ہے جو بھدے اور معنی ومفہوم کے اعتبار سے ناگوار ہوں جن سے شرک کی بوآتی ہو۔

اس وقت مسلم معاشرہ کی صورت حال زبوں تر ہے، جدت پسندی کا دور ہے، لوگ ایسے نئے نئے نام تجویز کرتے ہیں جو بے معنی اور مہمل ہوتے ہیں بلکہ ایسے نام نکلوانے کی فکر ہوتی ہے جو محلّہ پڑوس اور آس پاس کے گاؤں دیہات اور اہل قرابت میں کسی کا نہ ہو، بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا

ہے کہ بعض لوگ ایسے ناموں کے معانی پوچھتے ہیں کہ لغۃً جن کا نہ کوئی مادہ ہوتا ہے اور نہ ماخذ اشتقاق، ظاہر ہے کہ ایسے مہمل الفاظ کے معانی لغت میں کیسے مل پائیں گے۔

بعض ناخواندہ لوگوں میں یہ رجحان بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ نام قرآن سے تجویز کرنے کو خیروبرکت کا ذریعہ سمجھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ معنی کیسے ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے اپنی بچی کا نام رکھا "لِمَنْ تَشَآء" دوسرے صاحب کے بارے میں پتہ چلا کہ انھوں نے اپنی بیٹی کو "وَرِیْشا" سے موسوم کیا، شہر مظفرنگر کے دیہات میں ایک عورت جو ذرا قرآن کریم پڑھنا جانتی تھی اس کے یہاں یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں اس نے اپنے کو خواندہ سمجھتے ہوئے بچیوں کے نام تجویز کرنے کے لئے قرآن کریم سے ''سورہ کوثر'' کا انتخاب کیا چنانچہ بڑی بچی کا نام "کوثر" رکھا دوسری کا نام "وانحر" تجویز کیا، اور تیسری کا نام "ابتر" مقرر کیا۔ کوثر اور وانحر کے معنی تو بحیثیت نام کسی حد تک درست بھی ہیں لیکن آخری لفظ ابتر کے معنی بہت بدتر کے ہیں جو کسی بھی طرح مناسب نہیں ایسے لوگوں کو بطور اصلاح کچھ کہا جائے تو سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم سے رکھے ہوئے ناموں کو تبدیل کرنا کون سے مسئلہ کی بات ہے، حالانکہ قرآن کریم سے نام تجویز کرنے کی بات علی الاطلاق درست نہیں ہوسکتی اس لئے کہ قرآن کریم میں ''حمار''، ''کلب''، ''خنزیر''، ''بقرہ''، ''فرعون''، ''ہامان''، ''قارون'' وغیرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں تو ان کے طریق استدلال کے مطابق ان الفاظ کے ذریعہ بھی نام رکھنا صحیح ہونا چاہئے؟

مربی عصر حضرت اقدس مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی قدس سرہٗ ناموں کی تجویز کے سلسلہ میں اپنا ایک منفرد مزاج اور انفرادی رائے رکھتے تھے چنانچہ اپنی زندگی میں انھوں نے تحریراً تقریراً عوام وخواص کے طبقہ میں اس نوعیت کی کوششیں بھی فرمائیں، ''ہمارے قدیمی نام'' کے عنوان سے ایک کتاب کی تالیف کے لئے بھی وہ پُرعزم تھے بلکہ اس کے لئے پیش لفظ اور سرورق لکھ کر کاتب الحروف کے حوالہ کردیا تھا، افسوس کہ ان کی حیات میں ان کے اس تالیفی منصوبہ کی تکمیل نہ ہوسکی، البتہ ان کی وفات کے بعد ''مسلمانوں کے نام اور ان کے احکام'' کے عنوان سے اکابر کی تصدیقات کے ساتھ الحمدللہ کئی سالوں سے وہ مجموعہ علمی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

حضرتؒ کے پیش لفظ کا اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں جس میں مسلم معاشرہ کی ایک کمزوری کی نشاندہی اور اس کی اصلاح کا طریقہ موجود ہے۔

سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اچھا نام تجویز کرنے کی ترغیب دی ہے اسم کے

اثرات مسمّٰی میں منتقل ہونا بھی مسلم ہے، پھر عمدہ نام وہ ہے جس میں بندہ کے لئے بندہ ہونا ظاہر ہو، اس کے بعد وہ نام جو انبیاء اور پیغمبروں کے ناموں پر ہوں اس کے بعد ان ناموں کی اجازت ہے جس کے معنی میں کوئی برائی اور شر نہ ہو۔ اس وقت جدت پسندی کا ایک مزاج اور ایک رو ہے جس کے اثر سے چیدہ چیدہ افراد ہی محفوظ ہیں، قرآن کریم میں "منهم من قصصنا عليك" کے تحت بعض پیغمبروں کے اسماء ذکر کئے گئے ہیں ان میں بھی بعض نام تو امت مسلمہ میں رائج ہیں اور بعض قلیل الاستعمال ہیں مثلاً آدم، ذوالکفل اور نوح، اور بعض بالکل متروک ہیں مثلاً ہود، لوط، الیسع حالانکہ ان کے بابرکت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، زبان پر ثقیل بھی نہیں، بہت ہلکے پھلکے ہیں، بس التفات نہیں۔ ایک عرصہ تک سوچتا رہا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے خیال آیا شاید میرے علم میں نہ ہوں اور فی الواقع تجویز کئے جاتے ہوں اس لئے کہ عدم علم عدم وقوع کو مستلزم نہیں، اس لئے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون کی تعمیل میں بعض بزرگوں سے زبانی اور بعض سے تحریری سوال کیا لیکن خاطر خواہ تسلی کسی جگہ سے نہ ہوسکی۔

اس لئے میں نے سوچا کہ لوگ نئے نئے نام دریافت کرتے ہیں اور اس قسم کی باقاعدہ کتابیں بھی مرتب ہوتی رہتی ہیں جو مبارک نام اتنے قدیم ہوگئے ہوں۔ جن کی طرف سے التفات ہٹ چکا ہو تو انہیں دہرانا شروع کردیا جائے وہی رائج ہوجائیں گے۔

بے معنی اور غیر اسلامی ناموں کو بدلنے انبیاء کرام اور صحابہ عظام کے ناموں پر نام تجویز کرنے میں کاتب الحروف نے کئی سالوں تک حضرت بڑوتیؒ کے یہاں عملی نمونہ دیکھا کہ انھوں نے اپنے بہت سے اہل تعلق کے ناموں میں ترمیم فرمائی بعض لوگوں کے ناموں کو تبدیل کیا ''ہرسولی'' اور اس کے اطراف میں خاص طور پر بہت سے نومولود بچوں کے نام ''ہود''، ''لوط''، ''ذوالکفل''، ''نوح'' اور ''آدم'' تجویز فرمائے۔

بہرحال حضرات اہل علم اور خدام دین پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں جو غیر اسلامی ناموں کا رواج ہوتا جارہا ہے اور دینی وعلمی مزاج ومذاق کے رسالہ سے نام رکھنے کے بجائے ناول اور افسانوں کی کتابوں سے نام رکھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے اس پر ہر صاحب علم اپنی حیثیت وصلاحیت کے موافق توجہ دے اور اسی پر زور دیا جائے کہ مسلمانوں میں انبیاء کرام صحابہ عظام اور حضرات تابعین اہل علم وفضل کے ناموں کا سلسلہ بڑھے اور ایک متروک سنت کا احیاء ہو اور احادیث میں جو اچھے دلکش اور بامعنی نام کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اس کے متعلق جو خصوصی

ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے کا جذبہ عوام الناس میں بیدار ہو جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ تم قیامت میں اپنے نام اور اپنے باپ کے نام سے پکارے جاؤ گے لہٰذا تم بہتر نام رکھا کرو۔ (ابوداؤد) ظاہر ہے کہ میدان آخرت میں کوئی برے نام سے پکارا گیا تو اس بھرے مجمع میں بڑی رسوائی اور خفت ہوگی اس لئے وہ دن آنے سے پہلے ہی توجہ دی جائے اور نام کے انتخاب میں معنی ومفہوم کی ضرور رعایت رکھی جائے۔

سرکار دوعالم ﷺ اچھا نام سن کر بہت خوش ہوتے اور خوشی سے چہرہ انور دمکنے لگتا تھا اور ناپسند نام سے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو جاتے، اگر چہ وہ کسی قبیلے، بستی یا شہر کا نام ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں رونق افروز ہونے کے بعد اس کا قدیم نام ''یثرب'' تبدیل کر دیا اور ''مدینہ'' تجویز فرمایا، حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی صحابی کو گورنر بنا کر کسی جگہ بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر پسندیدہ نام ہوتا تو خوش ہوتے اور ناپسندیدہ نام ہوتا تو ناگواری فرماتے اور اس کا اثر بھی چہرہ سے ظاہر ہو جاتا، ایسے ہی کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے اگر بہتر ہوتا تو خوش ہوتے اور خوشی کی کیفیت چہرۂ انور پر نمایاں ہو جاتی اور اگر اچھا نہ ہوتا تو ناپسندیدگی کا اثر بھی چہرہ سے ہویدا ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کی ایک صاحبزادی کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا آپ ﷺ نے اس کو بدل کر جمیلہ (خوبصورت) رکھ دیا۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص: ۴۰۷)

اور بھی اس قسم کی بہت سی مثالیں اور واقعات احادیث میں آئے ہیں جن کی تفصیلات سے اہل علم واقف ہیں اور کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اس عاجز کا مقصد دیندار اور علماء کے طبقہ کو خصوصاً اور عوام المسلمین کو عموماً اس جانب توجہ دلانا ہے کہ وہ اچھے اور صالح ناموں کا انتخاب کریں، اور وابستہ حضرات کو بھی اس کی تلقین وہدایت فرماتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے۔ (آمین)

❁ ❁ ❁

جہیز: خاندانی ادارے کے لیے عظیم چیلنج

از: محمد شاہ نواز عالم قاسمی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

عصر حاضر میں خاندانی ادارے کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان سب کا احاطہ تو شاید ممکن نہ ہو، ہر معاشرے میں یہ چیلنج ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ بلکہ بعض حالات میں متضاد بھی۔ مثلاً کہیں جہیز کا اژدہا بے شمار جوانیوں کو چاٹ جاتا ہے اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں عفت مآب دوشیزائیں ہوس پرست نوجوانوں اور ان کے والدین کی ''ہل من مزید'' کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ دوسری طرف کوئی باپ اپنی جوان بیٹی کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے دندانِ حرص تیز کررہا ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اِن دوطرفہ ہوس پرستوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: عورت سے نکاح چار اسباب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کے باعث، اس کے حسن وجمال کے سبب سے اور اس کے دین کے تعلق سے؛ لہٰذا تم دین دار خواتین کو منتخب کرو۔ (مسلم شریف: ۲۶۶۱، بخاری شریف: ۴۷۰۰)

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی ایسا شخص جس کے دین اور اخلاق پسندیدہ ہوں نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کردیا کرو، بصورتِ دیگر زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ (سنن الترمذی: ۱۰۰۴)

نکاح کے لیے مال ودولت کو معیار بنانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ آپ کے رسول اللہ ﷺ کو، ارشاد ربانی ہے: اگر وہ غریب ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی فرمادے گا۔ (النور: ۳۲-۱۸)

جہیز کی حقیقت

جہیز اور بری یہ دونوں درحقیقت زوج (لڑکے والوں کی) طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ کو ہدیہ ہے اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے فی نفسہٖ امر مباح بل کہ مستحسن ہے۔ (اصلاح الرسوم، ص: ۵۶)

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو خوب جہیز دینا برا نہیں؛ مگر طریقے سے ہونا چاہیے، جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔ (حقوق البیت، ص:۵۲)

جہیز میں قابل لحاظ امور

جہیز میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے: اوّل تو اختصار یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔

دوم: یہ کہ ضرورت کا لحاظ کرے؛ یعنی جن چیزوں کی ضرورت فی الحال ہو وہ دینا چاہیے۔

سوم: یہ کہ اعلان نہ ہو؛ کیوں کہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور ﷺ کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں۔ (اصلاح الرسوم، ص:۹۳)

حضرت فاطمہؓ کا جہیز

سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز یہ تھا: دو یمنی چادر، دو نہالی جس میں اُسی کی چھال بھری تھی، چار گدے، چاندی کے دو بازو بند، ایک کملی، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔ (ازالۃ الخفا واصلاح الرسوم، ص:۹۳)

حضرت فاطمہؓ کے جہیز کی حقیقت

ہمارے معاشرے میں جب جہیز کی بات آتی ہے تو سارے عہد نبوی سے ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اکلوتی مثال کو اس قدر زور بیان اور قوت استدلال فراہم کر دیا جاتا ہے؛ گویا سنت نبوی کا تمام تر انحصار اسی پر ہے۔ سیّدہ فاطمہؓ کے اسباب کے ذریعے جہیز کو مسنون ثابت کرنے والے شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اور دیگر صاحب زادیاں تھیں، آپ نے اُنھیں کتنا سامانِ جہیز دیا، اگر نہیں دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ تلقین فرما رہے ہیں: اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کو پیش نظر رکھو۔ (بیہقی)

ایک صحابی نعمان بن بشیرؓ اپنے ایک بیٹے کو عطیہ دینے کے سلسلے میں گواہ بنانے حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: کیا ساری اولاد کو اسی طرح کے عطیات دے رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا: نہیں، تو

آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے بارے میں انصاف سے کام لو، کسی ایک کو دینا دوسرے کو نظر انداز کر دینا ظلم ہے اور میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ کے ہاں یہ معاملہ آتا ہے تو ایک بیٹی کو جہیز دے کر روانہ کرتے ہیں اور دوسری بیٹیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں حال آں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟

بخدا دامنِ نبوت ہر قسم کی ناانصافی سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صحیح روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے سیّدہ فاطمہؓ کے گھر کا سامان اپنے پاس سے دیا اور اُن چار سو اسی دراہم سے نہیں خریدا گیا جو حضرت علیؓ نے اپنا واحد اثاثہ غزوۂ بدر میں ملنے والی زرہ کو فروخت کر کے حاصل کیا تھا تو بھی صورتِ حال علاحدہ تھی۔

بعثتِ نبوی سے پہلے کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب کی معاشی تنگی کا شدت سے احساس تھا، ایک روز آپ نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آیئے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں ایک آپ لے لیں۔ اس طرح ان کی معاشی ذمے داری کم ہو جائے گی؛ چناں چہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی کفالت کی ذمے داری لی جو شادی تک آپ کے ساتھ رہے۔ چوں کہ حضرت علیؓ کی کفالت آپ کے ذمے تھی؛ اِسی لیے مدینہ منورہ میں مواخات کے موقعے پر جب ایک ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بنایا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔

مطلب یہ تھا کہ اس کی کفالت جس طرح مکہ معظّمہ میں میرے ذمے تھی اب بھی میرے ذمے ہے؛ چوں کہ حضرت علیؓ کی کفالت آپ کی ذمے داری تھی؛ اِس لیے حضرت علیؓ نے جب نیا گھر بسانے کا اِرادہ کیا تو آپ نے اُن کے سرپرست ہونے کی ذمے داری پوری کرتے ہوئے کچھ ضروری سامان ساتھ کر دیا جسے بعد میں ہوس پرستوں نے کچھ کا کچھ کر دیا۔

مروّجہ جہیز کی خرابیاں

مگر اب جس طرح سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی؛ بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیزی دونوں کا اعلان ہوتا ہے، متعین اشیا ہوتی ہیں،

خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں، جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں چیز ضروری اور تمام برادری اور گھر والے اس کو دیکھیں گے، جہیز کی تمام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور اور جہیز کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ آپ خود فرمائیے یہ پوری ریا دکھلاوا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔

اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیتے۔

اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لیے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا؛ لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں گو سود ہی دینا پڑے اور گو باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے پس اس میں الزام مالا یلزم اور نمایش اور شہرت اور اسراف وغیرہ خرابیاں موجود ہیں؛ اِس لیے یہ بھی بطریق متعارف (مروّجہ طریقے سے) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہو گیا۔

(إزالۃ الخفاء، اصلاح الرسوم، ص: ۵۱ وص: ۵۷)

❁ ❁ ❁

مدرسہ بورڈ

از: حکیم ظل الرحمٰن، دہلی

آج کل دانشوران ملت کے توسط سے مرکزی حکومت کے دل میں ایک خصوصی درد اصلاح مدارس کا پیدا ہوگیا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جن لوگوں کا کوئی بچہ ان مدارس میں نہیں پڑھتا ان کو ان مدارس کی اصلاح کی فکر ہے اور جن کے بچے یہاں پڑھتے ہیں وہ بہت حد تک مطمئن ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ہو رہی ہے۔ جائزہ لیا جائے تو ان دانشوران ملت کا بہت بڑا طبقہ دین سے دور ہے اور بعض تو دین بیزار بھی ہیں۔ اس مطالبے کے پس پشت دو نصب العین ہیں۔ ابتداء یہ منصوبہ ایڈوانی صاحب نے اپنے دور میں بنایا تھا جس کو اب کانگریس حکومت روبہ عمل لانا چاہتی ہے۔

(۱) مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا جو مطالبہ عام مسلمانوں کے نام پر کرایا جاتا ہے اس مطالبہ کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ان مدارس کے فارغ علماء ہیں۔ لہٰذا ان کو ان کی دینی روح سے جدا کر دیا جانا ہے۔

(۲) ان کے ہزاروں گریجویٹ بے روزگار ہیں اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک گریجویٹ بھی علوم عصریہ کے نام پر رکھ لیا جائے تو ان کی بے روزگاری دور ہو جائے گی۔

اس کے بعد ان کو یہ بھی امید ہے کہ ان مدارس کو حکومتی امدادوں کے توسط سے اس طبقہ کو مدارس میں دخل اندازی کا موقع مل جائے گا۔

اگر ان کو دینی تعلیم ہی کی فکر ہوتی تو یہ مطالبہ کر سکتے تھے کہ عصری تعلیم کے مسلم اقلیتی تعلیمی اداروں میں دینیات اسلامی کو بطور اضافی اختیاری مضمون کے طور پر پڑھانے کی اجازت دیدی جائے اور نئی تعلیمی پالیسی میں دفعہ ۴/۸ کے تحت اخلاقی اور روحانی تعلیم دینے کی اجازت ہے ثبوت کے لیے عرض کروں کہ ایک زمانے میں مڈل اسکول کا امتحان الہ آباد بورڈ کے تحت ہوتا تھا اس میں

کم از کم دو اختیاری مضمون اور زیادہ سے زیادہ چار مضمون اختیاری لے سکتے تھے۔ مزید برآں نیک کام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ میں جب فتح پور سینئر سکنڈری اسکول دہلی میں پی ٹی اے کا سکریٹری تھا اور جناب زین العابدین صاحب پرنسپل تھے میں نے پی ٹی اے کا چندہ دس روپیہ ماہانہ فی طالب علم کر دیا۔ ٹائم ٹیبل میں دونوں شفٹوں میں ایک ایک پیریڈ اخلاقی اور روحانی تعلیم کے نام پر لگایا۔ اور دونوں شفٹوں میں ایک جز وقتی مدرس دینیات اسلامی کا مقرر کیا اور اس کا مشاہرہ پی ٹی اے سے ادا کیا۔ صبح کی شفٹ کو ظہر کی نماز اور شام کی شفٹ کو عصر کی نماز ادا کرا کر چھٹی دی جاتی تھی۔ جہاں تک عصری علوم کا تعلق ہے ان ہی مدارس میں ایسے ادارے بھی ہیں جو زمانے کی عربی، فارسی اور دینیات کے لکچروں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ریسرچ کا کام کرتے ہیں اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے عربی فارسی پروگرام کے افراد مہیا کرتے ہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعۃ الاصلاح سرائے میر، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، مدرسہ عالیہ رامپور وغیرہ اسی ضمن کے ادارے ہیں۔

ان سب کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر بہت سے مدارس ہیں جو درس نظامی کی بنیاد پر چلائے جارہے ہیں جہاں تک ان مدارس میں کسی اصلاح کا تعلق ہے بہت سے مدارس رفتہ رفتہ اپنے نصاب تعلیم میں ضروری ترجیحات لارہے ہیں۔ مختلف مدارس میں انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام ہو چکا ہے، خود دارالعلوم دیوبند میں اپنے فارغین کے لیے انگریزی تعلیم کا انتظام ہے۔

مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مدرسہ گلزار حسینی اجڑاڑہ ضلع میرٹھ، مدرسہ ضیاء العلوم سنبھل ضلع مرادآباد میں اپنے طلباء کے لیے سینئر سکنڈری اسکول کھولے جا چکے ہیں۔ اجڑاڑہ میں کمپیوٹر سیکشن کا بھی نظام قائم ہو چکا ہے۔

اصلاح مدارس کے نام پر سب سے پہلی تجویز ندوۃ العلماء کے صدسالہ اجلاس میں محترم جناب خسرو صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پیش کی تھی اور اس وقت ان کا جواب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مرحوم نے دیا تھا کہ آپ ہم سے کیوں اصلاح مدرسہ کا مطالبہ کرتے ہو۔ آپ ایک مدرسہ اپنے نصاب کے مطابق عصری علوم اور دینی علوم کی شمولیت کے ساتھ قائم کر کے اس مدرسہ کی دینی افادیت ثابت کر دو۔ اگر ہم مطمئن ہو گئے کہ عصری علوم کی شمولیت ان مدارس کی روح کو متاثر نہیں کرتی ہے تو ہم خود بخود انداز تعلیم کو قبول کر لیں گے۔ لیکن ہم اپنے ان مدارس میں کسی طرح بھی حکومت کی دخل اندازی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

ہم ان دانشوران ملت سے ایک بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آٹھویں کلاس تک یہ لوگ تقریباً سات آٹھ مضمون پڑھاتے ہیں۔

ہائی اسکول میں صرف چھ مضمون رہ جاتے ہیں۔

سینئر سکنڈری میں صرف چار مضمون رہ جاتے ہیں۔

بی۔ اے میں صرف تین مضمون اور ایم اے میں صرف ایک مضمون رہ جاتا ہے۔ اپنے اسکولوں میں تخفیف در تخفیف کا اصول اپنایا جاتا ہے، لیکن ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے تمام مضامین بھی پڑھائیں اور علوم عصری بھی پڑھائیں۔ کیا عملاً یہ ممکن ہے کہ کثرت مضامین کے ساتھ دینی علم کا قدیم معیار باقی رہ جائے گا کبھی نہیں۔

دراصل جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں ان کو ان مدارس کے قیام کے اسباب اور پس منظر کا علم نہیں ہے۔ توجہ فرمائیں کہ یہ مدارس کس مقصد کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔

قرآن کریم۔ پارہ ۴ رسورہ آل عمران آیت ۱۰۴ میں ہدایت کی گئی ہے کہ ''تم میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔ بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے''

آیت ۱۰۰۔ دنیا میں تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔

نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اب خدا کا یہ پیغام تمہیں اور تمہارے بعد کے لوگوں کو دنیا کے انسانوں تک پہنچانا ہے۔

یہ ہے وہ بنیاد جس کے لیے یہ مدارس قائم کیے گئے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ ہم سائنس کے لوگوں سے کبھی نہیں کہتے کہ آرٹس کے مضامین پڑھاؤ۔ کامرس کے لوگوں سے کبھی نہیں کہتے کہ سائنس پڑھاؤ۔ آرٹس کے لوگوں سے کبھی نہیں کہتے کہ سائنس یا کامرس بھی پڑھاؤ وہاں ہر شے کے تخصص کی بات کرتے ہیں اور ہم سے آپ فرماتے ہیں کہ اپنے دینی علوم کے ساتھ عصری علوم بھی بڑھاؤ تاکہ یہ لوگ اپنی روزی کما سکیں۔ کمال کی بات ہے کہ ان کو ہمارے دینی طلباء کی روزی کی فکر ہے جس کا وعدہ قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے وما من دابة الا علی الله رزقها کہہ کر فرمادیا ہے۔ جس چیز کی ضمانت باری تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی اس کی تو ہمیں فکر ہے، اور جو

ڈیوٹی اللہ تعالیٰ نے ہماری لگائی ہے اس کی انجام دہی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ذرا نظر ڈالیے کہ آپ کے لاکھوں گریجویٹ بے روزگار پھر رہے ہیں ہمارا کوئی مولوی بے روزگار نہیں ملے گا۔ حسب حیثیت وہ کہیں مدرس ہوتا ہے کہیں امام ہوتا ہے کہیں موذن اور کچھ بھی نہیں تو اپنے تعویذوں کے ذریعہ خدمت خلق میں مصروف ہے لاکھوں طلبہ سالانہ ان مدرسوں سے فارغ ہوتے ہیں لیکن کوئی بے روزگار نہیں ہے۔ دراصل ان حضرات کو فکر ہے کہ مولوی صاحب کے گھر میں ٹیلی ویژن کیوں نہیں ہے۔ فون کیوں نہیں ہے عمدہ فرنیچر اور رہائشی کوٹھی کیوں نہیں ہے یہ اس لیے نہیں ہے کہ اُن کو حقیقتاً ان مولوی صاحب سے کوئی ہمدردی ہے بلکہ ان کو فکر یہ ہے کہ مولوی صاحب کے گھر میں شیطان کا داخلہ کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

ہمارے مدارس کی جو بنیادیں اور نصب العین ہے اور جو تاریخ دارالعلوم دیوبند میں واضح طور پر درج ہے وہ درج ذیل ہے:

۱- اوّل مذہبیت: دارالعلوم اور یہ مدارس بنیادی طور پر دینی ادارے اور اسلامی قوت کے سرچشمے ہیں اور اوّل سے آخر تک اسلامی شریعت کے پابند ہیں۔

۲- دوم آزادی وخودمختاری: دارالعلوم اور یہ مدارس کسی بھی طرح کی بیرونی غلامی سے آزاد ہیں۔ ان کا نظام تعلیم ان کا نظام مالیات اور اس کا نظام انتظامی سرتاسر افراد پر ہے دارالعلوم دیوبند دنیا کا پہلا تعلیمی ادارہ ہے جس کے لئے حکومت نے بارہا پیش کش کی مگر اس نے لاکھوں روپیہ کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۳- ان مدارس کی مالیاتی بنیاد توکل علی اللہ پر ہے عوامی چندے اور عطیات ہی سے یہ چلائے جاتے ہیں۔

۴- سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ ان اصولوں کے افراد کی تصویر بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

حیدرآباد ریاست میں ایک علمی ادارہ دائرۃ المعارف تھا۔ جس کی بہت علمی خدمات ہیں اس کے کاموں کو نظام خود دیکھا کرتے تھے۔ ایک بار جناب مولانا محمد احمد صاحب اور دارالعلوم کے دو فضلا اس ادارے سے وابستہ ہو گئے نظام ان کے کام سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''ہمارے دفاتر اور اداروں کی ایک ضرورت انگریزی بھی ہے اگر دارالعلوم دیوبند اپنے نصاب میں انگریزی کی تعلیم بھی شامل کر لے تو ہم اس کی سند کو بی اے کے مماثل تسلیم کر لیں گے

اور یہ تو قانونی شکل ہوگی لیکن جب تک قاسمی حضرات ملیں گے کسی بی اے کو تقرر نہیں دیں گے‘‘

مولانا محمد احمد صاحب نے یہ تجویز اس وقت کے مہتمم جناب مولانا یعقوب صاحب کو ارسال کی مولانا یعقوب صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا جب مولانا محمد احمد صاحب رمضان کی تعطیل میں دیوبند گھر آئے تو انھوں نے اپنی تجویز کا اعادہ کیا۔ تو مولانا یعقوب صاحب نے جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے: (اس کے راوی مجھ سے مولانا منظور نعمانی صاحب مرحوم ہیں اس لیے نقل کی گستاخی کر رہا ہوں)

’’محمد احمد میں تمہیں بے وقوف تو سمجھتا تھا مگر اتنا نہیں سمجھتا تھا۔ ہم تو پیدا ہی وہ لوگ کرتے ہیں جن کا کوئی گاہک دنیا میں نہ ہوا گر اس کا گاہک دنیا میں ہوگیا تو وہ ہمارے کام سے گیا۔‘‘

یہ ہے قرآن کریم کی آیت ۱۰۵، اور ۱۱۰ کے حکم کی تعمیل۔ رہا اس گروہ کی روزی روٹی کا سوال تو جب خدا کی ملازمت اختیار کروگے تو روزی روٹی بھی وہ اپنے آپ دے گا اب کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

۲- اسی دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شیخ الادب دارالعلوم دیوبند جناب مولانا اعزاز علی صاحب کو ۵۰۰ روپیہ ماہانہ مشاہرہ کا آفر ملا۔ جو جواب انھوں نے دیا وہ ہم سب کے لیے جو زندگی میں دنیاوی خواہشات ہی کو زندگی کا اصل مقصد سمجھتے ہیں مقام عبرت ہے۔

’’مدرسہ سے پندرہ روپیہ ماہانہ ملتے ہیں۔ میرا کام آٹھ نو روپیہ میں چل جاتا ہے۔ پریشان رہتا ہوں کہ ان کو کہاں خرچ کروں پانچ سو روپیہ ملنے لگیں گے تو میں تباہ ہوجاؤں گا میری معذرت قبول فرمائیں۔‘‘

۳- ان حالات میں یہ مدارس کیسی کیسی روحانی ہستیاں پیدا کرتے ہیں غور فرمائیں۔

مولانا یعقوب صاحب کے زمانۂ صدارت میں ایک لڑکا پیالہ میں ترکاری لیتا ہوا بکتا ہوا ان کے پاس شکایت لے کر آیا کہ کس قدر گھٹیا قسم کا کھانا طلبہ کو ملتا ہے، مولانا یعقوب صاحب نے حیرت سے فرمایا کہ کیا یہ لڑکا دارالعلوم کا طالب علم ہے۔ یہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا حضرت یہ تو دارالعلوم کا طالب علم ہے اور فلاں کمرے میں مقیم ہے۔ مولانا نے فرمایا تحقیق کرو یہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں تھا۔ اس کا ہم نام طالب علم تھا جو مدرسہ چھوڑ کر چلا گیا اور اب اس کی جگہ یہ رہ رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا حضرت آپ نے کس طرح جانا کہ یہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے فرمایا۔

ایک زمانہ میں میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک کنواں ہے جو دودھ سے بھرا ہے رسول کریم اس سے دودھ تقسیم فرمارہے ہیں اور لوگ اس میں سے بھر بھر کر لے جارہے ہیں کوئی مشکیزہ بھر رہا ہے، کوئی گھڑا اور کوئی لوٹا، جو لوگ اس دودھ کو لے کر گئے اس سب کی شکلیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی ہے کہ کنواں دارالعلوم ہے، دودھ درس حدیث ہے، تقسیم کنندہ اس دارالعلوم کے اساتذہ نائبین رسول ہیں اور دودھ لے کر جانے والے دارالعلوم کے طلبہ ہیں۔ ان تمام افراد میں یہ لڑکا نہیں تھا جس کی بنا پر میں نے یہ کہا تھا کہ یہ لڑکا دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے۔

۴- مزید سنئے:

موجودہ سہ درہ کی تعمیر کے سلسلے میں بعد نماز عشاء اساتذہ اور منتظمین میں مشورہ ہورہا تھا کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔ طے ہوا کہ صبح بعد فجر پھر غور ہوگا۔ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ رات کو خواب میں رسول اکرم کو دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نشان لگادیے ہیں ان جگہوں پر ستون اٹھالیے جائیں۔ صبح فجر کے وقت جاکر دیکھا تو نشان لگے ہوئے تھے۔ مولانا نے یہ بہ آواز بلند فرمایا اب کسی مشورہ کی ضرورت نہیں رسول اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے۔ اب بتایئے کہ کیا آپ کے نئے علوم عصریہ کے دینی ادارے یہ افراد پیدا کرسکیں گے۔

۵- اب دو مختلف النوع نصاب کے اداروں کا فرق بھی ملاحظہ فرمالیں حالانکہ دونوں ادارے دینی ہیں۔ مگر ایک میں کسی حد تک دنیاوی ضروریات بھی ملحوظ ہیں۔ اگرچہ وہ بھی ضروریات زندگی ہیں، یعنی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند ایک بار ندوہ تشریف لے گئے۔ وہاں ہر چیز کو دیکھا لوگوں نے معلوم کیا کہ دارالعلوم اور ندوہ میں آپ نے کیا فرق محسوس کیا آپ نے فرمایا:

آپ جب ندوہ کے طالب علم سے اعزاز علی کا مکان معلوم کرلیں گے تو وہ آپ کو صحیح طور پر بتادے گا کہ اس سڑک پر بجلی کے دو کھمبوں کے بعد الٹے ہاتھ پر جو گلی ہے اس میں سیدھے ہاتھ پر چوتھا مکان اعزاز علی کا ہے اور آپ بالکل آسانی سے اعزاز علی کے مکان پر پہنچ جائیں گے۔

لیکن جب یہی سوال آپ دارالعلوم کے طالب علم سے کریں گے تو وہ آپ کو کچھ نہیں بتائیگا، بلکہ آپ کو ساتھ لے کر میرے گھر تک پہنچادے گا۔

ندوۃ العلماء کے علمی معیار سے کس کو انکار ہوسکتا ہے لیکن کیا ندوہ ایک بھی حسین احمد پیدا کرسکا، ایک بھی شبیر احمد عثمانی پیدا کرسکا، ایک بھی مفتی عزیز الرحمٰن پیدا کرسکا اگر نہیں تو کیوں۔ وجہ صاف ہے وہاں اس چیز کا فقدان ہے جسے قرآن کریم نے ذکر اور احسان سے تعبیر کیا ہے۔

۲- ایک مثال اور غور فرمائیں سرسید مرحوم نے نیک نیتی سے مدرسۃ العلوم قائم کیا تھا عصری علوم کے ساتھ دینیات اسلامی کا مضمون لازمی رکھا تھا۔ لیکن کیا اس دور میں عصری علوم کے ماہرین دینی مزاج لے کر نکلے۔ مجبوراً جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم ہوا جس میں آزادی سے قبل تک ایک حد تک اسلامی مزاج اور اسلامی تہذیب تھی۔ آزادی کے بعد انتظام کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں آئی انھوں نے جب ادارے سے لفظ اسلامی حذف کرنے کی تجویز رکھی تو حسن اتفاق سے گاندھی جی کی شخصیت بانیان ادارہ میں سے تھی انھوں نے فرمایا کہ اگر جامعہ ملیہ اسلامیہ سے لفظ اسلامیہ نکال دیا گیا تو اس ادارے سے وہ اپنا تعلق توڑ دیں گے اور آج وہی حال ہوگیا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نام ہے۔

جا- میاں- مل- لیا- اسلام- یاں- اب تو یہاں اسلامیات کا حال یہ ہے کہ درسی کتاب میں لکھا ہے کہ لیلۃ القدر کی عبادت ایک ہزار راتوں کی عبادت کے برابر ہوتی ہے جبکہ قرآن کریم نے اسے ایک ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر بتایا ہے۔ کسی کو احساس تک نہیں ہے کیونکہ اب یہاں طلباء اور اساتذہ کی نیت ہی عصری علوم کے ماہرین بنانے کی ہوتی ہے۔ عربی کا مقولہ ہے الناس علی دین ملوکھم۔ اس پورے ساٹھ سالہ دور میں کوئی بھی وائس چانسلر علاوہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے دینی مزاج کا نہیں آیا ہے تو کہاں سے دینی مزاج پیدا ہوتا۔

جو حضرات ان مدارس کی اصلاح کی باتیں کرتے ہیں آخر وہ حکومت سے یہ مطالبہ کیوں نہ کرتے کہ اقلیتی مسلم اداروں میں دینیات کی تعلیم ان کے اپنے والدین کے اخراجات کی بنیاد پر بطور مزید اختیاری مضمون پڑھانے کی اجازت دیدی جائے اور یہ اجازت نئی تعلیمی پالیسی کے تحت ضابطہ ۴/۸ کے تحت اخلاقی اور روحانی تعلیم کی اجازت کے نام پر ملتی ہے بلکہ موجود ہے اور یہ اجازت جونیئر ہائی اسکول سے بی اے تک دیدی جائے تو مسئلہ خود بخود حل ہوجائیگا۔

میرے محترم مدرسوں میں جو طبقہ پڑھنے آتا ہے اس میں تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔ یہ وہ طبقہ ہے جن کے گھروں میں وافر کھانا نہیں ہوتا پہننے کو مناسب کپڑے نہیں ہوتے اور پیروں میں جوتے نہیں ہوتے۔ یہ غریب مدارس کے اساتذہ عوامی چندوں کی بھیک۔ زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کی آمدنی حاصل کرکے ان بچوں کو مفت کھانا، مفت کپڑے،

مفت کتابیں اور دیگر ضروری اخراجات کی کفالت کرتے ہیں۔ اگر یہ مدارس ان بچوں کو نہ اپناتے تو یا تو یہ بچے مزدوری کا شکار ہوتے یا مجرمانہ گروہ کے رکن بن جاتے۔ یہ مدارس ہی ہیں جو انہیں انسان بناتے ہیں اپنے انسان بنانے کے جو کارخانے حکومت کے تھے یعنی اسکول وہاں تو اب حال یہ ہے کہ

اب کسی پیڑ پر لگتے نہیں اخلاق کے پھل
زندگی تھک گئی اس بیج کو بوتے بوتے

بہار میں ایک مدرسہ ہے جہاں ۷۰ بچے غیر مسلم پڑھتے ہیں۔ جب وہاں آر ایس ایس کے لوگوں نے جا کر ان کے والدین سے کہا کہ وہ اپنے بچوں کو ان دوسرکاری اسکولوں میں بھیجیں جو اس گاؤں میں موجود ہیں تو ان کا جواب تھا ہم تو اپنے بچوں کو اسی مدرسہ میں بھیجیں گے۔ مولوی صاحب بڑے پیار سے پڑھاتے ہیں۔ اخلاق سکھاتے ہیں اور کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے'' یہ لوگ اپنا سا منھ لے کر چلے آئے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے مدارس کے دروازے ہر مذہب کے لیے کھلے ہیں۔ خود میرے ساتھ دارالعلوم میرٹھ میں درجہ منشی سے ایک صاحب رام چندر فارسی پڑھتے تھے۔

مدارس کے نصاب اور طریقۂ تعلیم میں اگر کسی تبدیلی کی ضرورت ہے تو اس کے لیے کسی سرکاری بورڈ کی ضرورت نہیں ہے۔ علماء حسب ضرورت اپنے اداروں میں مائل بہ اصلاح ہیں سرکاری بورڈوں کے تحت مدارس کا حال دیکھنا ہو تو یوپی میں عربی فارسی بورڈ اور بہار میں شمس الہدیٰ بورڈ کے مدرسوں کا حال دیکھو تو، اکثریت ان مدارس کی دینی روح سے محروم ہے اور اساتذہ اپنے فرائض کے احساس سے غافل ہیں اور اکثر خوف خداوندی سے بھی محروم ہیں ہر وقت ان کے سامنے اپنے مطالبات ہوتے ہیں اپنی ذمہ داریاں نہیں۔

اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ حکومت خواہ وہ مرکزی ہو یا صوبائی چند بڑے شہروں میں اپنے معیار کے مطابق مدرسے بطور نمونہ قائم کر کے اور اس کی خوبیوں اور معیار تعلیم کی بنیاد پر دوسرے اداروں کو رضا کارانہ قبول کرنے کی ترغیب دے لیکن کسی مدرسہ کے انتظام وانصرام میں دخل اندازی نہ کرے۔ بہتر چیز ہوگی تو لوگ خود بخود قبول کرلیں گے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مدارس کے درجہ فوقانیہ کی سند کو جونیئر ہائی اسکول کے برابر تسلیم کرلیا جائے اور اس کی بنیاد پر ان طلباء کو ہائی اسکول میں داخلہ کا مجاز قرار دیا جائے تاکہ جو بچے مدارس

کے فوقانیہ درجے کے بعد دنیاوی عصری تعلیم کی طرف جانا چاہیں وہ وہاں چلے جائیں وہاں بھی اسلامیات کو ایک مزید امتیازی مضمون کا درجہ دلایا جائے آخر یونیورسٹیوں میں بھی تو اسلامیات کا شعبہ ہوتا ہے۔

ایک تیسری شکل اور ہے فارغین مدارس کے لیے خود حکومت ایسے دوسالہ یا تین سالہ نصاب کے ادارے قائم کرے جہاں انگریزی، سائنس، کمپیوٹر، اور دیگر ٹیکنیکل تعلیم کا انتظام ہو۔ اور ایسے اداروں میں تعلیم زیادہ قیمتی نہ ہو۔ مدارس سے فراغت کے بعد جو طلبہ ان اداروں میں داخلہ لینا چاہیں، وہ داخلہ لے سکیں۔ یہ صورتحال جامعہ ہمدرد، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کالجوں میں موجود ہے C.C.I.M نے بعض مدارس کی اسناد کو سینئر سکینڈری کے برابر تسلیم کیا ہے اور وہ B.U.N.S کے پری طب درجہ میں داخلے کے مجاز ہیں۔

مجھے امید ہے کہ حکومت کے ذمہ داران ان مندرجہ بالا تینوں صورتوں پر غور فرمائیں گے اور مدارس کی خودمختاری کو محفوظ رہنے دیں گے۔

❁ ❁ ❁

عیسائی مشینریز کی تباہ کاریاں

(۲)

از: مفتی ابرار متین بیگ قاسمی
بنگلور

خلاصۂ تمہید

اس تمہید کے بعد ایک مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور ایک منصف مزاج عادل و منصف ہونے کی بناء پر اسلام اور فطرت انسانی کے پیش نظر بخوبی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ دنیا میں جتنے خودساختہ مذاہب وادیان ہیں خصوصیت کے ساتھ موجودہ مذہب یہود ونصاریٰ کے اصول وقواعد اوران کی تہذیب وثقافت، عدل وانصاف سے دور عقل وخرد کے مخالف اور فطرت انسانی کے دشمن ہیں اور جو بھی شخص ذاتی اعتبار سے یا جو بھی قوم ملکی وقومی سطح پر ان کی تہذیب وثقافت کو اپنائے گی اور اسے اپنا شیوہ بنا کر فخر محسوس کرے گی وہ بھی فطرت انسانی سے بغاوت کرے گی اور دنیا کے نظامِ چین وسکون کو ختم کردے گی۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ فطرت انسانی کی باغی قوم (یہود ونصاریٰ) سے قومی وملکی سطح پر یا بین الاقوامی سطح پر تعلق ختم کردیا جائے اوران کے سائنسی تحقیقات کے متعلق علوم کو اوران کے بعض معاشی اعتبار سے صاف وشفاف نظریات کو اوران کے اسکولس وکالجز میں پڑھائے جانے والے غیر معیاری وغیر اخلاقی نصاب کے علاوہ اخلاقی معیاری نصاب کا اور انگریزی زبان سیکھنے وسکھائے جانے کو غیر حکیمانہ وعجلت پسند فیصلوں سے ٹھکرادیا جائے بلکہ ان کے سیکھنے وسکھائے جانے میں اہل دانش وبینش کی جانب سے نہ کوئی اعتراض ہوگا اور نہ کسی قسم کا تردد۔ اصل مسئلہ تو ان کی غیر فطری تہذیب وثقافت اور تعصب سے لبریز نصاب اور مزاج ومذاق کا ہے جب کسی قوم کی تہذیب وثقافت کی بات آتی ہے تو وہاں تہذیب وثقافت کے نام سے کئی ایک شعبے سامنے آجاتے ہیں۔ منجملہ ان شعبوں میں ایک شعبہ تعلیم وتعلّم کا ہے حالانکہ یہ

بات صاف ہوجانی چاہئے کہ کسی بھی قوم کی تہذیب وثقافت کا شعبہ الگ چیز ہے اور تعلیم وتعلم کا شعبہ الگ چیز ہے جیسا کہ عیسائی مشنری اسکولس میں تعلیم وتعلم کے ساتھ خود اپنی غیر فطری تہذیب، ثقافت اور غیر اخلاقی مزاج ومذاق تعصب سے بھرے نصاب تعلیم کو ''جزء لاینفک'' یعنی اہم جز بنادیا جاتا ہے جس کے بغیر تعلیم تعلیم ہی نہیں بلکہ ایک بے کار فضول شئے ہے۔

عصری تعلیم وتعلّم ایک الگ چیز ہے، عیسائی تہذیب ایک الگ چیز ہے

دنیاوی علوم یعنی مادیات سے متعلق دنیا میں جتنے فنون وکمالات ہیں اور انہیں حاصل کرنے کیلئے اور دن بدن ترقی کرنے کے لئے تحقیقاتی ادارے اور کمپنیاں قائم کرنے کے لئے سائنسی وجغرافیائی کھوج کیلئے معاشیات وسیاسیات میں بہتری پیدا کرنے کے لئے از اوّل تا آخر جتنے علوم اسکول وکالجز میں سیکھے وسکھائے جاتے ہیں اور اس کی سندیں اور ڈگریاں دی جاتی ہیں ان سب کے لئے عیسائی ویہودی تہذیب کی یا پھر مغربی تہذیب وثقافت اور ان کے طرز معاشرت کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن آج کل کچھ مغربی تہذیب کے نشے میں دھت لوگ یا مغربی تہذیب کی بلاسوچے سمجھے اتباع کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہمارے بچوں کو مغربی تہذیب یعنی عیسائی تہذیب وماحول اسکولس وکالجز میں Admission داخلہ نہیں دلوائیں گے اس وقت تک ہمارا بچہ لائق وفائق نہیں بن سکتا اور طرز معاشرت میں یعنی کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، شادی بیاہ اور بہت سارے معاشرتی معاملوں میں مغربی تہذیب کا پاس ولحاظ نہیں رکھے گا، وہ سماج کی نگاہ میں قدامت پسند اور دقیانوسی کہلائے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسا تاریخی اعتراض بالفاظ دیگر ایک تاریخی حقیقت بیان کردی جائے جس میں مختلف تاریخ ساز شخصیتیں مثلاً ماہر طب، ماہر سائنس، ماہر فلکیات، ماہر جغرافیہ، ماہر معاشیات، ماہر ریاضی، ماہر فن مہندسی، ماہر تاریخ وادب۔ وغیرہ وغیرہ کی صدیوں تک بیش بہا خدمات رہی ہیں۔ جن کے خدمات واحسانات تلے آج دنیا کے سارے سائنس داں، اطباء، انجینئرس وغیرہ کا وجود قائم ہے۔ گویا کہ وہ سارے لوگ بانی ومبانی استاذ بلکہ ابوالاستاذ کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے دنیوی تحقیقات کے اعتبار سے یہ سب کچھ کیا لیکن اپنے دین ومذہب کو اور اپنے ملک وقوم کے معاشرے کو اور اپنی تہذیب وثقافت کو نہیں چھوڑا تاکہ وہ قوم یا ملک یا خاص تہذیب وتمدن دنیا سے ختم نہ ہوجائے اور اس قوم کا طرۂ امتیاز ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہے۔

کچھ تاریخ ساز شخصیتیں اپنی تہذیب خاص میں

تقریباً ۱۹۴۷ء سے یا اس سے کچھ پہلے جب یہاں (ہندوستان) انگریز آئے تو انھوں نے جس طرح یہاں کے کاروباروں پر، منڈیوں پر اور یہاں کی ریاستوں پر آہستہ آہستہ قبضہ کیا ٹھیک اسی طرح یہاں کی تہذیب وثقافت پر بھی اپنی مغربی تہذیب کا جال بچھایا اور رفتہ رفتہ ملک وبیرون ممالک کے بہت سے علاقوں میں اپنے طرز خاص کر کانوینٹس Convents اسکولس کھولے جو خالص مغربیت اور مغربیت کے ذریعہ عیسائیت کی ترجمانی کرنے والے تھے۔ اور یہاں کے لوگوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اگر دنیا میں ترقی کرنی ہے اور دنیا کو اپنی مٹھی میں لینا ہے اور سائنسی اور جغرافیائی دنیا میں، انجینئرنگ اور الیکٹرانک کی دنیا میں قدم جمانا ہے تو ہماری تہذیب کو اپناؤ اور ہماری ثقافت کو اپنی زندگی میں جاری وساری کرو۔ چنانچہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے علاوہ سارے ایشیائی ممالک اور غیر ایشیائی ممالک نے مل کر ان کی اتباع واقتدار شروع کردی جس کا نتیجہ آج ہم اور آپ کو دیکھنا پڑ رہا ہے۔ یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ پچھلے صدیوں کے جتنے بڑے بڑے سیاستداں جغرافیا داں، ریاضی داں، طب داں، کیمیا داں، فلسفہ داں اور بہت سارے داں اپنے اپنے میدان علم وتحقیق میں تحقیق کی چوٹیوں تک پہنچے لیکن اپنی تہذیب خاص کو اور اپنے مذہب کے احکامات کو اور اس کے خاص مزاج ومذاق کو نہیں چھوڑا اور اپنی تہذیب وثقافت کو گلے لگائے ہوئے ایسی عمدہ علمی وتحقیقی خدمات انجام دیئے جس سے صدیوں تک لوگ استفادہ کرتے رہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند ایسے سائنسدان، جغرافیہ داں وغیرہ وغیرہ کا ذکر کیا جائے جنھوں نے تحقیق کے میدان میں ہر لائن سے کام کیا لیکن اپنے مذہب کو نہیں چھوڑا۔

(۱) جابر بن حیان: Father of Chemistry

یہ بات بہت صحیح ہے کہ دنیا کے اندر بہت سارے کیمیا داں گزرے ہیں لیکن فن کیمیا یعنی Chemistry میں جابر بن حیان جیسی شخصیت شاید ہی گزری ہو جن کا سن پیدائش ۷۲۱ء اور وفات ۸۰۳ء جن کو دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان حضرات کیمیا کا باوا آدم یعنی Father of Chemistry کہتی ہے، اتنا بڑا محقق اور اتنا بڑا کیمیا داں اپنے میدان میں لوہا منوالیا، لیکن اس میدان میں کامیابی کیلئے کسی تہذیب کا سہارا نہیں لیا اور نہ اپنے مذہب اور اس کے احکامات کو چھوڑا۔

(۲) ابن فرناس

یورپ کے محقق بلکہ ساری دنیا کے محقق عباس ابن فرناس کو اچھی طرح جانتے ہیں جس نے اپنی تحقیق سے وہ کمالات دکھلائے ہیں دنیا والے خصوصاً اہل مغرب کے بڑے بڑے سائنسداں حیران و پریشان ہیں۔ یہ وہ شخصیت ہے جس نے کیمیا، طبیعات، فلکیات میں تحقیق کرتے ہوئے ''بلور'' یعنی Rockcrystal دریافت کیا اور اسے کس طرح کاٹنا چاہئے وہ بھی بتلایا، اتنی ہی نہیں بلکہ ان کے عظیم کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ وہ ہے جس کے صدقہ میں آج پوری دنیا کے ہوائی جہاز آسمان میں گھوم پھر رہے ہیں یعنی ہوا میں اڑنے والی فلائنگ مشین Flying Machine ایجاد کی اور دنیا والوں کو آسمان اور خلاء میں کیسے اڑنا سکھلایا، اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی نہ تو اپنی تہذیب چھوڑی اور نہ اپنا مذہب اور اس کی تعلیم چھوڑی۔ اس Flying Machine کی ایجاد کے ہزار برس بعد Wright Brothers نے Glider ایجاد کیا۔

(۳) ابوبکر محمد بن زکریا الرازی

امام رازی بھی سائنسدانوں کے فہرست میں محتاج تعارف نہیں جن کی بیش بہا خدمات پوری دنیا کو مذہب کے اعتبار سے اور معاشرے کے اعتبار سے مسلسل آج تک فائدہ پہنچا رہی ہیں، عہد وسطیٰ میں سترہویں ۱۷ عیسوی صدی تک فن طب کے اندر ان کا کوئی مدمقابل نہیں آیا بلکہ تحقیقات کے باوجود ان کی عالمی تحقیق میں نہ تو مذہب آڑے آیا اور نہ کوئی تہذیب خاص حائل بنی۔

(۴) البیرونی

دنیا کے بڑے ریاضی داں لوگوں میں رہتی دنیا تک البیرونی کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے بھی ریاضی کے شعبہ میں وہ خدمات انجام دی ہیں کہ دنیا کے تمام ریاضی داں ان کی خدمات سے انکار نہیں کرسکتے۔ لیکن ان کے فن ریاضی کے سیکھنے سکھانے میں اور اس میں کمال پیدا کرنے میں مذہب کو خیرباد نہیں کیا اور نہ اپنی مسلم تہذیب کو خود سے جدا کیا۔

(۵) عمر الخیام

فن ریاضی داں، فن سائنس، فن فلکیات میں، جس طرح عمر الخیام کا نام و مقام بڑی عزت

کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح فن شاعری میں بھی ان کی شاعری عالمگیر شاعری کی حیثیت رکھتی ہے اگر کسی شاعر کو عمرالخیام کا نام معلوم نہ ہوتو وہ شاعر تو ہوسکتا ہے لیکن ناقص غیر عارف شاعر کہلائے گا۔

(۶) ادریسی

ابوعبداللہ محمد ابن محمد عبداللہ ادریسی اشرف کی سن پیدائش ۱۰۹۹ء ہے اور وفات ۱۱۶۶ء ہے۔اورادریسی دنیا کے ان عظیم جغرافیہ داں لوگوں میں ہیں جن کی جغرافیہ دانی سے جغرافیہ اپنے عروج پر پہنچا، اتنے تمام تر کمالات کے حاصل کرنے کے بعد نہ تو اپنے مذہب میں کسی قسم کی رواداری کو قبول کیا اور نہ کسی بھی اعتبار سے مذہب میں نقص وکمی کو محسوس کیا۔

(۷) ابن رشد

ابن رشد علامہ ابن رشد سے جانے پہچانے جاتے ہیں جنھوں نے فلسفہ کے میدان میں کمال کو پہنچ کر بھی نہ تو اپنے مذہب کو چھوٹا سمجھا نہ اس کی تہذیب وثقافت کو اپنی زندگی سے علیحدہ کیا۔

(۸) علامہ طوسی

علامہ طوسی دنیا کے ان ماہرین سائنسداں وعلماء میں شامل ہیں جو دنیاوی اعتبار سے اور دینی اعتبار سے ہر فن کے مولیٰ جانے جاتے تھے۔فن طب، فن ریاضی، فن فلکیات، فن فلسفہ، فن شاعری کے ساتھ دینی مضامین تفسیر، حدیث، فقہ میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت تھی، ان سب کمالات کے باوجود علامہ طوسی نے نہ تو اپنے اسلامی وضع قطع میں کمی بیشی کی اور نہ اس میں کسی اعتبار سے فکری وعملی اعتبار سے راواداری قبول کی۔

ابن نفیس اور الغ بیگ

ابن نفیس کو نحو ومنطق اور فقہ میں الغ بیگ کو رصدگاہوں کے تیار کرانے میں جو مہارت حاصل تھی اسے اہل علم ودانش اچھی طرح سے جانتے ہیں سمرقند کو دنیا کے بہت سارے ممالک اور ان کے شہروں میں فن تعمیر کے اعتبار سے ممتاز بنادیا تھا لیکن ان سب کمالات کے باوجود ان دونوں

حضرات نے کبھی نہ تو اپنے دین کو اور دینی مزاج و مذاق کو بدلا اور نہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کی۔

مذکورہ عظیم تاریخ ساز شخصیتوں کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ عصری یعنی مادی علوم کے سیکھنے وسکھانے میں اور اس میں روز افزوں ترقی کرنے میں مغربی تہذیب وثقافت کی کوئی ضرورت نہیں اور جو لوگ اسے لازمی سمجھتے ہیں وہ اندھی تقلید میں مبتلا ہوکر دوطرح کے عظیم نقصان میں مبتلا ہورہے ہیں۔

(۱) دین اسلام کی مذہب کے اعتبار سے شناخت وشبیہ کو بگاڑ رہے ہیں۔

(۲) ملکی وقومی اعتبار سے ایسا فساد وبگاڑ پیدا کررہے ہیں کہ شاید تاریخ نے آج تک اس قسم کے بگاڑ کو دیکھا یا سنا نہ ہو اور ساتھ ساتھ اپنے ہی ملک کی شناخت کو مسخ کررہے ہیں۔

مغربی تہذیب سے مذہب کا نقصان

دنیا کے اندر جتنے مذاہب وملل ہیں خاص طور سے مذہب اسلام اپنے اپنے مذاہب کے اعتبار سے صدیوں سے ایک خاص رنگ وروپ، الگ وضع قطع کو باقی رکھتے ہوئے آرہے تھے اب ایک عرصہ دراز سے وہ خاص رنگ وروپ باقی نہیں رہا اور نہ مذہبی سالمیت باقی رہی۔ یوں تو دنیا میں بسنے والوں کے بے شمار مذاہب ہیں لیکن انگریزوں نے ''برٹش ایمپائر (Britesh Empire) کے نام سے ظلم واستبداد، چالبازی ومکاری کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں بھی حکومت کی اور ایک عرصہ کے بعد وہاں سے نکلے ہیں تو جتنی مدت وہاں رہے پورے زور وشور یا پوری ترغیب وترہیب سے اُن اُن علاقوں کی مذہبی تہذیب کو تقریباً عملاً ختم کردیا تاکہ گلوبلائزیشن Globlaisation یعنی عالمگیریت باقی رکھے اور اس عالمگیریت کو باقی رکھ کر ایک عالمگیر تہذیب یعنی مغربی تہذیب سے پوری دنیا میں اپنا تجارتی اثر باقی رکھیں اور ساری دنیا والے ان کے محتاج اور ان کے اشاروں پر ناچیں اور مغربی تہذیب کی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ہمیشہ ڈالے رکھیں۔

اسی لئے مغربی دنیا نے کچھ ایسے کام انجام دیئے جس کے تحت وہ دنیا پر راج کرسکیں جیسے ڈرامے، فلمیں، اسٹیج شو، ماڈلنگ اور بیوٹی کانٹسٹ اور اس کے علاوہ کچھ ایسے پروگرام اور فنکشن جو خالص مغرب ہی کی عکاسی کریں جیسے برتھ ڈے، اینورسری Anniversery پروگرام Happy New Yerar، ویالنٹین ڈے پروگرام وغیرہ وغیرہ۔ منجملہ دیگر اسباب کے مذکورہ اسباب بھی مغربی تہذیب کے بڑھنے اور ترقی کرنے کے اسباب ہوئے لیکن ان سب اسباب کے

علاوہ ایک ایسا بنیادی سبب ہے کہ جو سارے مذکورہ اسباب کے لئے فکری قوت وطاقت پیدا کرتا ہے اور کچھ سال کے عرصہ میں یہ اتنا پختہ ہوجاتا ہے کہ وہ ایک شخص کے لئے طبیعت ثانیہ، فطرت اور عادت بن جاتا ہے، جسے نہ گھر اور سرپرستوں کی طاقت ختم یا کمزور کرسکتی ہے اور نہ باہر کی طاقت، دوست احباب رشتہ دار وغیرہ ختم کرسکتے ہیں اور وہ اسکولس وکالجز کے اسٹوڈنٹس کی مغربی فکر کی طاقت ہے، خاص طور پر ایسی فکری آزادی جو مذہب اسلام اور ملک کی تہذیب کو بالائے طاق رکھ دے اور یہ مغربی فکر کی قوت، عیسائی مشنری اسکولس وکالجز میں پیدا کی جاتی ہے۔

دنیا میں عیسائی مشنری اسکولس کو کب اور کیسے فروغ ملا

دنیا کی چار مغربی قومیں ایسی ہیں جنھوں نے کاروباری یعنی ملکی تجارت، ملکی لین دین کے ادارے سے دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا اور وہاں کے فرمانرواؤں کو اپنے دام فریب میں پھانس کر کاروبار شروع کیا اور کاروبار سے اور آگے بڑھ کر ملک کے داخلی وخارجی معاملے میں دخل اندازی شروع کی اور آہستہ آہستہ دنیا کے اکثر وبیشتر ممالک پر اپنا شکنجہ مضبوط کردیا، پھر آہستہ آہستہ وہاں کی تہذیب کو مغربی تہذیب بنانے کی مختلف فکریں اور کوششیں کیں اور وہ چار قومیں European Imperial Power سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ اور وہ چار قومیں یہ ہیں: (۱) مغربی (۲) فرانسیسی (۳) ڈچ (۴) پورچوگول۔ یہ وہ چار قومیں یا چار ممالک ایسے ہیں جنھوں نے دنیا کے کم وبیش ۸۰ یا ۹۰ ممالک پر ظالمانہ وجابرانہ حکومت کی اور جن ممالک پر انھوں نے حکومت کی آج ان ممالک کو Common Wealth Countries کہا جاتا ہے۔ مذکورہ چار قوموں میں British Impire یعنی برطانیہ والوں نے ہندوستان کو کاروبار کا پھر کاروبار کے ذریعہ تقریباً پورے ملک وقوم کو غلام بنایا پھر ہندوستانیوں کی قید ومشقت والی زندگی اور غلامی اور ان کی حکومت ۱۵۶۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک چلتی رہی اور اس عرصہ میں ملک وقوم کے نوجوان اور بڑے بہادر وزیرک حضرات نے اپنے خون پسینہ سے ملک کو آزاد کرلیا تب جاکر یہ ہمارا ملک ہندوستان انگریزوں کے ظلم وستم والے چنگل سے آزاد ہوا، آزادی کے موقع پر اور آزادی کے ملنے تک دو بڑی خطرناک چیزیں ہندوستان میں جنم لے چکی تھیں۔ ایک وہ نظریہ جو مسلم لیگ والوں کا تھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا خطہ چاہئے جس میں مسلمان اپنی مسلمانیت یعنی اسلام اور اس کا تشخص برقرار رکھ سکیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا تو ہو نہ سکا اور اس کے نہ کچھ آثار نظر آرہے

ہیں، صاف صاف الفاظ میں پاکستان کے نام پر جو تقسیم ہوئی اس کی وجہ سے نہ تو ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں آزادی کا صحیح مطلب ومطلوب مل سکا اور نہ پاکستان کے مسلمانوں کو مسلمانیت یعنی اسلام کے شان دار اقدار ملک پاکستان میں مل سکے۔ بہرحال دوسری بڑی غلطی خود ہم ہندوستانیوں کو آج تک سیکولر حکومت کے ہونے کے باوجود سکولریت اور جمہوریت کے تمام حقوق اچھی طرح سے مل سکے لیکن ہم اس کے باوجود ہندوستانیوں کی زندگی خود اپنے ملک ہندوستان میں بہت اچھی گزر رہی ہے، اللہ اور بھی اچھی طرح زندگی گزارنے کے مواقع عطا فرمائیں۔ بہرحال یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر یہاں آ گئی ہے۔

الغرض مذکورہ چار قومیں ایسی ہیں جنھوں نے جہاں بھی حکومت کی صرف حکومت نہیں کی بلکہ حکومت کرنے کے علاوہ وہاں کے معدنیات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ساتھ ساتھ تجارت کے نام سے بھی کئی ایک علاقوں کے سیم وزر کو اپنے اپنے ملکوں کو روانہ بھی کیا۔ خاص طور پر انگریزوں نے ہندوستان جسے اس وقت سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا اور آج بھی کہا جائے تو کوئی بے جا بات نہیں ہوگی، خوب سے خوب لوٹا اور لوٹ کر اپنے علاقہ برطانیہ کو مال ودولت سے بھر دیا اور اس کے علاوہ ان قوموں نے حکومت کردہ علاقوں میں اپنی تہذیب خاص کر اور اپنی زبان خاص کر پورے زور سے فروغ دیا جس کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ آج تقریباً پوری دنیا فکر مغرب کی غلامی میں مبتلا ہے۔

فکر مغرب کی غلامی کے اسباب

دنیا کے اندر حقیقی غلامی تو انسان کو اس کی کرنی چاہئے جو ہم سب کا خالق ومالک ہے، اب رہی وہی مجازی غلامی یعنی کسی کی اتباع واقتدار تو صرف ایسی ذات یا ایسی قوم کی کرنی چاہئے جو ہمارے حق میں محسن، شریف، دیانت دار اور امانت دار ہو اور جو شخص یا قوم محسن کے بجائے ظالم، شریف کے بجائے غیر شریف، دیانت دار وامانت دار کے بجائے خائن ہو تو اس کی اتباع ہرگز ہرگز نہیں کرنی چاہئے چنانچہ اسی طرح کے صفات مذکورہ چار قوموں میں پائے جاتے ہیں۔

یوں تو مغربی فکر کی غلامی اور اس کے اسباب کو غور سے دیکھا جائے اور اس کا تجزیہ کیا جائے تو تمام کے تمام اسباب ایسے پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں جن کے مثبت پہلو بڑے رنگین وخوشنما انداز کے معلوم ہوتے ہیں اور ہر سادہ لوح آدمی ان اسباب کو دیکھ کر بڑا ہی متاثر اور دل پھینک بن جاتا ہے اور یہ دل پھینک کیوں کر نہیں بنے گا جبکہ وہ اسباب (خواہ کچھ لے کر یعنی انسانی

وتہذیبی اقدار کوفروخت کر کے یا اسے پامال کر کے) روٹی، کپڑا اور مکان کے اردگرد گھومتے ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان کو حاصل کرنے کے لئے ایسی ملازمتوں کا لالچ دیا جاتا تھا کہ اس نوکری کے حاصل کرنے کے لئے یا تو ضمیر فروش بننا پڑتا تھا یا نہیں تو ان کے قائم کردہ کانونٹس اسکولس اور کالجز کا سہارا لینا پڑتا تھا، اور اسی طرح روٹی کپڑا اور مکان کے حصول میں جب صحت خراب ہوجاتی تو لامحالہ ان کے قائم کردہ مشنری اسپتال جانا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جو متوسط طبقہ والوں سے متعلق نہیں ہیں بلکہ امیر ترین یا اہل جاہ واہل ثروت سے متعلق ہیں تاکہ ہر طبقہ کا آدمی ان سے متاثر ہوکر ان کی بھول بھلیوں میں ''کولہو'' کے بیل کی طرح گھومتے اور پھرتے رہتے ہیں، یعنی قحبہ خانے، بال رومس اور مختلف نام کے ایسے کلبس جن کا سائن بورڈ تو سماجی ترجمانی ضرور کرتا ہے لیکن جب اندر جھانک کر دیکھا جائے تو سماجی خدمات کے علاوہ اہل اثر لوگوں کی مختلف انداز سے ذہن سازی کی جاتی ہے تاکہ یہ ملک وقوم کے بجائے ان کے مت والے اور پٹھو بن کر زندگی گزاریں۔

غرض یہ کہ مغربی غلامی کے اور بھی بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں مگر ان اسباب میں ایک بڑا سبب عیسائی مشنری اسکولس ہیں لہٰذا اس زیرنظر مقالہ میں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ عیسائی مشنری اسکولس کا قیام اور اس کے مقاصد اور منصوبہ بند شازشیں، وہاں کا مزاج ومذاق اور اسکولس میں داخل ہونے سے لے کر باہر نکلنے تک کی تمام کارروائیاں نصاب تعلیم، وضع قطع، مخلوط تعلیم، سال بھر کے مختلف ناموں سے منعقدہ حیاء سوز پروگرام اور خود وہاں کے معلّمین ومعلّمات کا خاص مذہبی ڈھنگ کا لباس، بچوں کی تعلیم کے ساتھ بچوں کی آزادمزاجی کی ذہن سازی اور عیسائیت کی فکرسازی، عیسائی مشنری اسکولس سے وصول شدہ بلڈنگ فنڈ اور ڈونیشن وغیرہ کی موٹی موٹی رقم کا استعمال اور ایسے بچوں کا انتخاب جن کے والدین پڑھے لکھے ہوں وغیرہ وغیرہ اہم موضوعات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ ہرکس وناکس پر سالوں سے چلی آرہی اندھا دھند تقلید آشکارا ہوجائے اور اس کے بعد ارباب فکر، اہل علم، دردمند سیاست داں، علماء وفضلاء اس کی روک تھام کے لئے عملی اقدام کریں اور ایسے اسکولس وکالجز قائم کریں جہاں ہرسمت سے ماحول سازگار ہو اور مزاج ومذاق صاف وشفاف ہو جس سے ہمارا مذہب ومسلک بھی مضبوط ہو اور ملک وقوم کا ملکی وملی شعار بھی باقی رہے۔

❁ ❁ ❁

تعارف وتبصرہ

نام کتاب : تدریسِ قرآن مع حل لغات وترکیب پارہ=14
نام مصنف : حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہردواری، مدرس دارالعلوم دیوبند
کاغذ عمدہ قیمت ۴۰/روپے
از: مولانا محمد معروف صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

عربی مدارس میں ترجمہ قرآن کریم نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور مدرس کو ہدایت دی جاتی ہے کہ درس ترجمہ ومختصر تفسیر کے ساتھ ساتھ صیغوں کی لغوی وصرفی تحقیق اور بقدر ضرورت نحوی ترکیب پر مشتمل ہونا چاہئے۔

پھر اس حقیقت کے اعتراف میں کسی بھی ذی شعور کو تأمّل نہ ہوگا کہ کسی شخص کے مافی الضمیر کی تشریح کرنا کتنا مشکل کام ہے یہ حال انسانی قول کی تشریح کا ہے لیکن جب معاملہ کلام رب العالمین کا ہو تو اس کی تشریح تو جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

مقام مسرت ہے کہ ایشیا کی عظیم درسگاہ جسے ام المدارس ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہردواری نے اس طرف توجہ فرمائی اور ایک مفید اور آسان ترکتاب بنام تدریس قرآن مع حل لغات وترکیب تصنیف فرمائی۔ پیشِ نظر کتاب میں ترجمہ وتفسیر کے علاوہ لغات وترکیب اور گرانقدر علمی نکات وتحقیقات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

تدریسِ قرآن کی اس سے پہلے پانچ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور طلبہ وعلماء کے قلوب میں اپنی محبوبیت ومقبولیت کا نقش ثبت کرچکی ہیں یعنی پارہ ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۱۳/آگے کام جاری ہے، صاحب کتاب کے تصنیفی ذوق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مشکل

ترکیبوں کا حل آپ ہی کی تصنیف کردہ ہے، یوں تو مصنف کی بڑی چھوٹی متعدد کتب ہیں جو طلبہ کی ضرورت و جزء لاینفک بن چکی ہیں مثلاً نجوم الحواشی شرح اصول الشاشی، درس نحومیر، مصطلحات النحو وغیرہ، جنھیں جلیل القدر علماء اور کبار اساتذہ دارالعلوم کی تائید وتوثیق حاصل ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں برکت فرمائے اور ان کو مکمل قرآن کریم کی اسی انداز پر تدریس قرآن لکھنے کا موقع فراہم فرمائے، آمین یارب العالمین۔

❁ ❁ ❁